اللہ
رسول
محمد

ماہنامہ

المرشد

جولائی 2017ء
شوال/ ذیقعد 1438ھ

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَکْثِرُوْا ذِکْرَ اللّٰہِ حَتّٰی یَقُوْلُوْا مَجْنُوْنٌ...

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ لوگ کہنے لگیں کہ یہ دیوانہ ہو گیا ہے۔

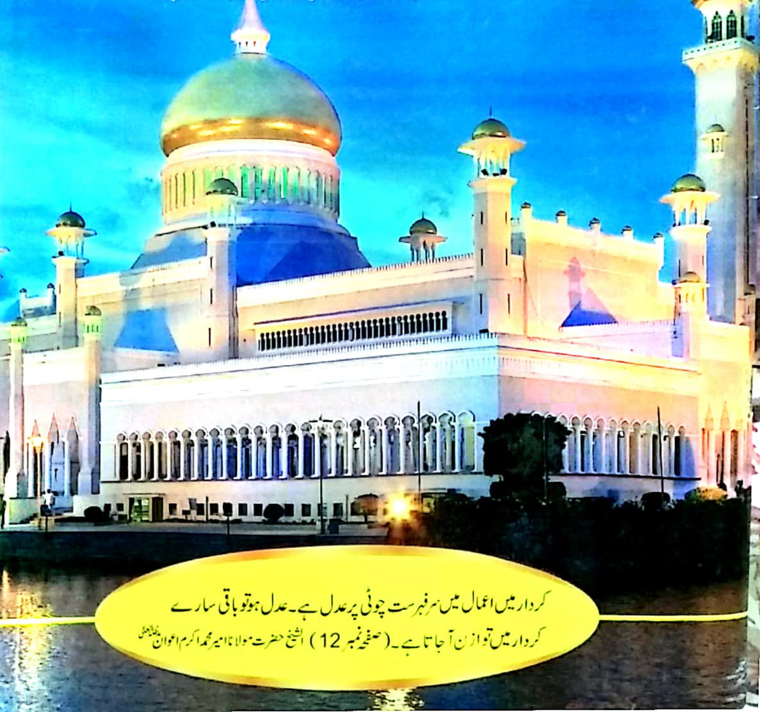

کردار میں اعمال میں سرفہرست چوٹی پر عدل ہے۔ عدل ہو تو باقی سارے کردار میں توازن آجاتا ہے۔ (صفحہ نمبر 12) الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

تصوف

تصوف کیا ہے؟

تصوف بندے کی ایک دنیوی روحانی ضرورت پوری کرنے کا نسخہ ہے۔ بندے کی ساری دنیوی ضرورتوں کی بہت اہمیت ہے۔ دنیا میں رہنے بسنے کے لیے ساری ضرورتیں اہم ہیں اس کے باوجود دنیا کی زندگی تصور سے بھی چھوٹی ہے۔ اس کا اکثر حصہ لوگ غم میں گزار دیتے ہیں۔ مسائل کا بوجھ، حالات کی تنگی، اور ناسازگاری ایسے عوامل ہیں کہ انسان کے شب و روز اسی کی نذر ہو جاتے ہیں۔ جب دنیا کی ساری ضرورتیں اہم ہیں تو مسائل کا بوجھ کیوں ہے؟

اس لیے کہ تمام ضرورتوں میں انسان کی دنیوی ضرورت صرف ایک ہے۔ وہ ہے اللہ سے تعلق بنانا، اللہ کی محبت کا جواب محبت سے دینا۔ خود کو اللہ کے پاس محسوس کرنا۔ جب یہ ضرورت پوری نہ ہو بندہ مضمحل، پریشان اور غمگین رہتا ہے۔ اگر یہ ضرورت پوری ہونے لگے تو بندہ سنبھل جاتا ہے۔ مسائل کا بوجھ، ماحول کی ناسازگاری سے نکلنے کا جو نسخہ پہلے سے اس کے پاس قرآن کی صورت میں ہے اس نسخے پر دل و جان سے عمل کرنے لگتا ہے۔

اس روحانی ضرورت کے پورا ہونے سے جو روحانی لذات نصیب ہوتی ہیں ان سے نفس پر قابو پانا نصیب ہوتا ہے، نفس کی تربیت کرنا آسان ہوتا ہے بلکہ نفس رضائے باری کا خوگر ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی صحبت سے یہ ضرورت بیک آن پوری ہوگئی اور لوگ صحابیؓ بن گئے جنھیں قرآن نے مثالی مسلمان قرار دیا۔ تین بہترین زمانوں تک ایمانی کیفیات کے حصول کا طریقہ یہی رہا۔ بعد کے زمانوں میں ایمانی کیفیات کو دل میں اتارنے کے لیے نیکوں کی صحبت کے ساتھ ساتھ قلب پر ذکرِ الٰہی کرنا بھی ضروری ٹھہرا۔ مسلمان معاشرے میں جب تک صحبتِ اولیاء اور ذکرِ الٰہی کی اہمیت قائم رہی، معاشرہ روبہ اصلاح رہا۔ جب یہ اہمیت ختم ہوئی، معاشرہ بنیادوں سے ہل گیا، اقدار کی عمارت منہدم ہونے لگی۔

اس روحانی ضرورت کو پورا کرنے کا راستہ تصوف ہے۔ اللہ کے بندے، اولیاء اللہ کے پاس بیٹھنا، ان کی زیرِ نگرانی ذکرِ الٰہی کرنا اور کردار کی تعمیر میں مشغول ہونا، تصوف کہلاتا ہے۔ بڑا ہی خوش نصیب ہے وہ جسے کوئی ایسا ذریعہ مل جائے کہ اس کا تعلق آقائے نامدار ﷺ سے ہو جائے۔ سنت رسول ﷺ پر زندگی ڈھلنی آجائے۔

ماہنامہ المرشد

جولائی 2017ء، شوال / ذوالقعد 1438ھ

جلد نمبر:	38
شمارہ نمبر:	11

مدیر اعلیٰ: صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

مدیر: محمد اجمل

نائب مدیر: محمد ادریس خان

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

انچارج ترسیل حسابات: چوہدری محمد اسلم

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ 235 روپے ششماہی

بھارت، مصر، سری لنکا، بنگلہ دیش 1200 روپے

مشرق وسطیٰ کے ممالک 100 ریال

برطانیہ، یورپ 135 سٹرلنگ پاؤنڈ

امریکہ 160 امریکن ڈالر

تھائی لینڈ اور کینیڈا 160 امریکی ڈالر

سرکولیشن رابطہ آفس

ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی روڈ، ٹاؤن شپ، لاہور

Ph: 042-35180381, Cell: 0303-4409395,
Email: monthlyalmurshed@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست اعلیٰ: الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
طریقہ ذکر		5
کلام شیخ	سیماب اویسی	6
اقوال شیخ	انتخاب	7
بحر حیات	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	18
اکرم التفاسیر، سورۃ الشوریٰ 49 تا 53	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	22
شرح مشکوٰۃ المصابیح	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	28
سوال و جواب	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	38
خواتین کا صفحہ		44
بچوں کا صفحہ	ع خان، لاہور	46
ناظم اعلیٰ سلسلہ کا دورہ یورپ	بھائی جہانگیر، بارسلونا، اسپین	49
طب	حکیم عبدالماجد اعوان، سرگودھا	51
Translated from Akram-ul-Tafseer	Ameer Muhammad Akram Awan MZA	54
Tassawuf	Maulana Allah Yar Khan(RAU)	57

ناشر: عبدالقدیر اعوان | انتخاب جدید پریس، لاہور 042-36309053

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ منارہ ضلع چکوال

www.oursheikh.org ویب سائٹ سلسلہ عالیہ

Ph:054-3562200, Fax: 054-3562198 Email:daruirfan@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع

○ یہاں اس دائرے میں اگر کراس X کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل تفسیر
قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ ---- وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ (البقرہ:96)

جاننے اور ماننے میں فرق:

یہاں یہ خیال نہ گزرے کہ جب جانتے ہیں تو نہ ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ بھئی! جانتا تو شیطان بھی ہے مگر مانتا نہیں۔ ایمان کے لیے صرف جاننا کافی نہیں بلکہ ماننا ضروری ہے اور ماننے کے لئے سمعنا و عصینا نہ ہو کہ زبانی مانے اور عملاً جھٹلائے بلکہ ماننا اُسے کہتے ہیں جس پر عمل بھی ہو۔

اکثر ائمہ نے جن میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر حضرات شامل ہیں، اعمال کو ہی ایمان کہا ہے مگر احناف کے نزدیک اقرار کے ساتھ دلی تصدیق شامل ہو تو کافر نہ ہوگا۔ ترکِ اطاعت سے فاجر ہوگا کہ یہ قول اور تصدیقِ قلبی بھی تو ایک عمل ہی ہے اور یہ بہت بڑا عمل ہے مگر اس کی زینت اعمال ہی سے ہے جو بہت ضروری ہے تو گویا ہر قول اور ہر فعل کا مدار عملاً اُس کے کرنے اور قلبی طور پر اس کی تصدیق سے ہے اگر دل ساتھ نہ ہو تو عمل محض ایک ڈھونگ رہ جاتا ہے۔

افسوس! ہمارے زمانے کی مصیبت یہی ہے کہ دل مرتے جا رہے ہیں مگر لوگ ہیں کہ جان بلب مریضوں (دلوں) کو غفلت اور عدم توجہی کا شکار کر رکھا ہے۔

اللہ ہم سب کو ہدایت دے، آمین!

قُلْ مَنْ كَانَ ---- لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾ (سورۃ البقرہ:97)

جب علمائے بنی اسرائیل عقل و نقل میں عاجز ہوئے تو صورت ایک مباہلہ کی بنی، جب وہاں بھی ناکام ہوئے تو اب سوائے تسلیم کے چارہ نہ تھا اور یہ راہ وہ اختیار نہ کرنا چاہتے تھے، لہٰذا ایک اور عذرِ لنگ تراشا کہ نبی تو برحق ہیں اور ہم مان بھی ضرور لیتے مگر یہ فرماتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام مجھ پر وحی لاتے ہیں اور یہ وہ فرشتہ ہے جو بارہا ہم پر بربادی لایا اور ہمارے آباؤ اجداد سے سختیاں کیں۔ اگر کوئی اور فرشتہ مثلاً میکائیل ہی وحی لاتا تو ضرور ہم بھی تسلیم کرتے مگر جبرائیل کے ساتھ ہماری بنتی نہیں ہے اسی وجہ سے ہم نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع نہیں کر سکتے۔

یہ ساری بات اُنہوں نے جہلاء کو بہلانے کے لئے گھڑی۔ مگر اللہ کریم نے یہاں بھی ان کے جھوٹ کا پول کھول دیا اور فرمایا ان جبرائیل کے دشمنوں سے فرمایئے کہ تمہیں فرشتوں سے برادری گانٹھنی ہے یا اس پیغام کو قبول کرنا ہے جو وہ اللہ کے حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر پہ لاتے ہیں۔ یہاں باذن اللہ کہہ کر یہ ظاہر فرمایا کہ اللہ کریم کا کلام ذاتی ہے اور فرشتہ تو صرف لانے پر مامور ہے، اس کا مہبط آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلبِ اطہر ہے۔

عقیدت، ادب، اطاعت

عقیدت! اس کے لئے الفاظ کی کوئی حیثیت نہیں جب تک حقیقت سے آشنائی نہ ہو اور حقیقت نام کیفیات کا ہے۔ انتہائی ضروری ہے کہ لفظ عقیدت سے شناسائی پائی جائے چونکہ دارِ دنیا میں کھو جانا عمر کا زیاں ہے اور کیفیات کے بحر میں ڈوبنا کمال ہے۔

دریں ورطہ کشتی فروشد ہزار — کہ پیدا نہ شد تختۂ بر کنار

''اس سمندر میں ہزاروں کشتیاں ایسے کھو گئیں کہ پھر ان کا کوئی نشان نہ ملا۔''

عقیدت دل کا بھروسہ ہے جس کا تقاضا ادب ہے اور ادب اطاعت کو چاہتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ عقید تمند مجسم اطاعت بن جاتا ہے فان المحب لمن یحب مطیع ''محبت کرنے والا محبوب کا بندۂ بے دام بن جاتا ہے۔''

اور اگر ایسا نہ ہو تو زندگی کی ساری قدریں پامال ہو جاتی ہیں۔ عقیدت پیدا ہوتی ہے دوسرے کے اعلیٰ اوصاف پر یعنی عقیدت فعل تو ذات کا ہے مگر محرک غیر ذات ہے تب ہی تو اوصاف کی کمزوری ایک دوسرے سے دوری کا باعث بنتی ہے۔ بندے کے ذمہ ادب آتا ہے حالانکہ ادب کا تعلق غیر سے ہے مگر فعل ذات کا ہے اور اسی سبب احترام نصیب ہوتا ہے اور جب کوئی محترم کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے تو لامحالہ بندہ اس کا اتباع اختیار کرتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے اعلیٰ ترین مثال نبی کریم ﷺ کی مکی زندگی مبارک میں ہے کہ جہاں تک تو آپ ﷺ کے اوصافِ حمیدہ کے محرک ہونے کی بات ہے تو کفار بھی معتقد ہوئے اور آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کو صادق اور امین کہہ اٹھے مگر جہاں بات ادب کی آئی انہوں نے آپ ﷺ کی فضیلت کا انکار کیا تو بجائے محترم تک رسائی کے، انکار کو جا پہنچے اور بدبخت ہو گئے اور جن عظیم ہستیوں نے ادب کی راہ اختیار فرمائی وہ محترم کی منزل کو پاتے ہوئے درجہ صحابیت پر جا فائز ہوئے۔

شعبۂ تصوف امین ہے انہی کیفیات کا اور کیفیات عمومی حیثیت نہیں بلکہ انتہائی خصوصی اور اعلیٰ ترین حیثیت کی حامل ہیں۔ ان کی عظمت پر واحد اور حتمی دلیل ہے ''کیفیاتِ محمد رسول اللہ ﷺ''! جو سالک نے حاصل تو دربارِ رسالت سے کرنی ہیں مگر تسلسل بنا یہ ممکن نہیں۔ اس کے لئے ضرورت ہے ایسے شیخ کامل کی کہ جس ہستی کو قلبِ اطہرؐ سے تعلق نصیب ہو۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر — نفس گم کردہ می آیند جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

جب ان کیفیات کی طلب صادق ہو تو یہ سمجھنے میں لحظہ بھی نہ لگے گا کہ یہ کتنا نازک معاملہ ہے۔ بے شک عقیدت، شیخ میں اوصاف سے نصیب ہو گی مگر ادب تو سالک کے ذمہ ہے کہ کس درجے کا ادب اختیار کرتا ہے کہ احترام سے اتباع تک پہنچ پاتا ہے یا فقط لفظ 'صوفی' کے چار حروف میں رہ جاتا ہے۔ فنا فی الشیخ کی کیفیت اور حقیقت سے نابلد تو شاید اسے فتوے کی نذر کر دے مگر فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ کی حیثیت حاصل کرنے کے لئے تسلسل ضروری ہے۔ فنا فی اللہ کے لئے فنا فی الرسول ﷺ ضروری ہے اور فنا فی الرسول ﷺ کے لئے فنا فی الشیخ۔ اور یقیناً بے ادب، بامراد نہ ہو پائے گا۔

اللہ کریم اس نزاکت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔ ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

طریقۂ ذکر

ذکر شروع کرنے سے پہلے یہ تسبیحات پڑھیں: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ O اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ O اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ O اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O پھر ذکر شروع کر دیں طریقہ نیچے درج ہے۔

پہلا لطیفہ: مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے، چوتھے اور پانچویں لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اللہ دل میں اترے اور خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور جسم پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

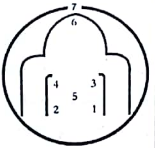

چھٹا لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔

ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔ ذکر کے بعد دعا مانگیں اور آخر میں شجرہ سلسلہ عالیہ پڑھیں جو اگلے صفحہ پر درج ہے۔

شجرہ مبارک

سلسلۂ نقشبندیہ اویسیہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

الٰہی بحرمتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمتِ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت داوٗد طائی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ابوایوب حضرت محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ سلطان العارفین حضرت خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ قلزم فیوضات حضرت العلاّم مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ختم خواجگان خاتمہٗ مَن وخاتمہٗ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی بخیر گردان

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

کلامِ شیخ

شیخ المکرم شاعری فرماتے ہیں ان کے دو تخلص ہیں سیماب اور فقیر۔ شعری مجموعے درج ذیل ہیں۔

گردِ سفر — متاعِ فقیر — آس جزیرہ — کون سی ایسی بات ہوئی ہے — دل دروازہ — نشانِ منزل — سوچ سمندر — دیدۂ تر

بارگاہِ رسالت میں

تیرا جانا بزم کی رعنائیاں تو لے گیا
اور در و دیوار کو ویرانیاں سی دے گیا

ہیں بہت چہرے مگر لگتا ہے یاں کوئی نہیں
حال کا اپنے جب ان میں راز داں کوئی نہیں

پھول کھلتے ہیں بہاروں میں مگر تیرے بغیر
کون جائے چمن زاروں میں مگر تیرے بغیر

نالۂ بلبل تو ہے سوزِ دروں باقی نہیں
تیری چاہت کا چمن میں وہ جنوں باقی نہیں

آگئی گردش زمانے کی ہمارے درمیاں
دیکھ سکتا ہے زمانہ کب کسی کو شادماں

لگتا ہے سارا چمن یونہی اُجڑ جانے کو ہے
تیرے بن اَب آشیاں اپنا بکھر جانے کو ہے

گر پلٹ آؤ تو محفل پھر جواں ہوجائے گی
ورنہ اپنی دوستی بس داستاں ہو جائے گی

(حمد ونعت سے ماخوذ)

اقوالِ شیخ

1۔ قیادت کی اہلیت سن وسال سے نہیں بلکہ اللہ کریم کے عطا کردہ علم سے ہوتی ہے۔

(اسرار التنزیل، جلد4،ص:80)

2۔ برزخ اور آخرت کی سزا اعمال ہی کی جنس سے ہوتی ہے۔ جیسا کردار ہوگا ویسا نتیجہ سامنے آئے گا۔

(اسرار التنزیل، جلد4،ص:334)

3۔ اگر جذبہ بھی صادق نہ ہو عمل اور کردار بھی صحیح نہ ہو عقائد بھی رسومات کی زد میں ہوں تو باقی بچتا کیا ہے؟

(نقوشِ حق،ص:85)

4۔ شیخ کی پہچان بھی یہی ہے کہ اس کی محبت میں قلب منور ہو کر کردار کی اصلاح کا سبب بن جائیں۔

(رموزِ دل،ص:12)

5۔ سلوک وتصوف ایک بیش بہا دولت ہے اللہ کریم نصیب فرمادے تو بات بنے۔

(کنوزِ دل،ص:114)

6۔ ہر انسان جان مال آبرو کا تحفظ چاہتا ہے جو سب سے بہتر اور اعلیٰ طریقے سے اسلام عطا کرتا ہے۔

(اسرار التنزیل، جلد:5،ص:167)

7۔ تصوف تو دین کا عطر ہے۔ دین کی جان ہے، روح ہے

(نقوشِ حق،ص:426)

8۔ ہر مسنون عمل قربِ الٰہی کی طرف لے جاتا ہے۔

(بیعت کیا ہے؟ ص:3)

9۔ نبی کریم ﷺ سے دوری سب سے بڑی مصیبت ہے۔

(طبیبِ دل تلاش کرو،ص:15)

10۔ عام آدمی کا آرام بدن کے آرام کے ساتھ ہوتا ہے۔ اہلِ اطاعت کا حلاوت اعمال کے ساتھ۔

(شرح مسائل السلوک، حصہ دوم، صفحہ:305)

بیان 7 مئی 2017ء

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ ط وَ نَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ط اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

سورہ نور میں اللہ جل شانہ تبارک تعالیٰ نے انسانی کردار کی دونوں سمتیں اوران کی انتہا تک کا ذکر ارشاد فرمایا۔ یہ آیۃ کریمہ بڑی معروف ہے اور کئی ساتھیوں کی E-MAIL میں آتا ہے جی اس کا مفہوم بتائیں۔ اب اس کا مفہوم E-MAIL میں تو نہیں لکھا جاسکتا شاید تفسیر میں بیان تو ہوا ہے، یقیناً ہوا ہے لیکن غالباً اتنی تفصیل سے وہاں بھی نہ مل سکے کیونکہ کتاب کا دامن بھی اتنا وسیع نہیں ہوتا کہ ایک آیت کریمہ کی اتنی تشریح کی جاسکے۔ اگرچہ اکرم التفاسیر میں بڑی حد تک تشریح کی گئی ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ ہر پہلو سے آیات کریمہ کے معنی اور مفاہیم جو ہیں اللہ کریم کی عطا سے وہ بیان کر دیئے جائیں لیکن پھر بھی کتاب کا دامن اتنا وسیع نہیں ہوتا۔ تو آج کی اس محفل میں اللہ توفیق دے تو میں چاہتا ہوں کہ یہ انسانی کردار کے دو پہلو ہیں۔

• اس میں آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والے سارے انسان شامل ہیں۔ ہر شخص جو گزر چکا ہے وہ بھی دو میں سے کسی ایک طرف تھا۔ جو موجود ہیں وہ بھی دو میں سے ایک حال میں ہیں۔ جو آئندہ آئیں گے وہ بھی ان دو حالتوں میں سے کسی ایک حالت پہ ہوں گے۔ دونوں حالتیں کیا ہیں؟ سادہ سا ترجمہ عرض کر دیتا ہوں۔

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (النور:35) کائنات میں روشنی، حق، صداقت۔ روشنی کیا ہوتی ہے جو حقائق کو واضح کر دیتی ہے۔ روشنی میں ہر چیز کی حقیقت اور اصلیت نظر آجاتی ہے۔ تو فرمایا: ارض وسماء کی، کائنات کی روشنی جو حقائق واضح کردے۔ چیزیں نظر کچھ اور آتی ہیں ان کی حقیقتیں کچھ اور ہوتی ہیں۔ دیکھنے میں تو سانپ بھی بڑا خوبصورت نظر آتا ہے لیکن ایک مجسم موت ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ زندگی کے لیے موت کا پیغام ہے، دیکھنے میں بڑا خوبصورت جانور ہے۔ بہت سی چیزیں کھانے میں خوبصورت نظر آتی ہیں لیکن ان کا اثر انسان کو موت تک پہنچا دیتا ہے۔ بعض چیزیں کھانے میں، ذائقے میں بھی تلخ ہوتی ہیں، دیکھنے میں بھی خوبصورت نہیں ہوتیں لیکن وہ صحت ٹھیک کر دیتی ہیں۔ یہ جو حقائق ہوتے ہیں، ایسی روشنی، ایسا نور جو انسانی شعور کو ان حقائق تک پہنچادے۔ صورتیں دھوکہ نہ دیں بلکہ ان کے پیچھے جو اثرات، نتائج اور حقائق ہیں ان تک پہنچادے۔ فرمایا: یہ صرف اللہ کی ذات ہے۔ کائنات میں روشنی اس کی ذات سے ہے۔ حقائق کی وضاحت، چیزوں کے اثرات، اعمال کے نتائج، کردار کے انجام، ان تک انسان کی نظر وسیع ہوجائے۔ اتنی روشنی ہو کہ بندہ بات منہ سے نکالے اور وہ دیکھ رہا ہو کہ میدانِ حشر میں اس بات کا نتیجہ کیا ہوگا، اتنی روشنی ہو کہ بندہ ایک کام کرے اور وہ دیکھ رہا ہو کہ کل میدانِ حشر میں اس کام کا نتیجہ اور اثر کیا ہوگا تو پھر روشنی ہے ناں!۔ روشنی تو اس کا نام ہے کہ بندے کا نظریہ، عقیدہ اسے دکھائی دے رہا ہو کہ اس کا نتیجہ کل قبر میں، برزخ میں، حشر میں اس کے ثمرات کیا ہوں گے۔ کون سا درخت ہے اس پر کیا پھل لگے گا، میٹھا، کڑوا، صحت مند یا موت دینے والا۔ اتنی روشنی

ہو کہ دو عالم کو سامنے کر دے۔ حضرت علیؓ کی طرف ایک قول منسوب ہے، آپؓ فرماتے ہیں، اگر قیامت قائم ہو جائے تو مجھے کوئی حیرت نہیں ہوگی کہ میرے نورِ ایمان اور نورِ یقین کی روشنی سے وہ سب چیزیں میرے لیے ایسی ہوں گی جیسے دیکھی بھالی ہیں، کوئی مجھے حیرت نہیں ہوگی کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ یہ کیسے پتا چلے، کیسے نظر آئے، اتنی نظر کیسے، فرمایا: یہ روشنی اللہ ہے، یہ اس کی ذات کا کرم ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ (سورۃ النور:35) آسمانوں اور زمینوں کا نور اور روشنی اللہ ہے۔ اب یہ بات بندے کو آسانی سے سمجھ نہیں آئے گی تو فرمایا: مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۔ (سورۃ النور:35) اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو بنا ہوا، ایک خانہ بنا ہوا ہو اور اس میں ایک چراغ رکھا ہو اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۔۔۔ اور وہ چراغ ایک خوبصورت قندیل میں رکھا ہو۔ اس کے اوپر ایک خوبصورت قندیل ہو۔ آپ نے دیکھا بعض لائٹیں آتی ہیں اس پہ بلب پہ ایک بہت بڑا سا خول بنا ہوتا ہے اسے قندیل کہتے ہیں اور وہ قندیل کیسی ہو فرمایا: اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ ۔۔۔ وہ قندیل اتنی خوبصورت ہو، اتنی قیمتی ہو جیسے وہ ایک چمکتا ہوا موتی یا دمکتا ہوا ستارہ ہو، عام قندیل نہ ہو، خود قندیل اتنی روشن ہو پھر اس میں چراغ بھی ہو، پھر اس چراغ میں بہت ہی بابرکت درخت یعنی زیتون کا تیل ڈالا جائے، زیتون کا بھی وہ درخت جو نہ مغرب کے کنارے پر ہو نہ مشرق بلکہ باغ کے عین وسط میں ہو جہاں پانی بھی زیادہ ملتا ہو، زمین بھی زرخیز ہو، جس کا تیل بہت خوبصورت ہو اور اتنا شفاف تیل ہو کہ گویا اسے کوئی آگ نہ بھی دکھائے تو وہ جل اٹھے گا، روشنی دے گا يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۔۔۔ اس کا تیل اتنا شفاف، اتنا خالص، اتنا واضح کہ کوئی اسے دیا سلائی نہ بھی دکھائے تو جل اٹھے يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۔۔۔ یہ اتنی بڑی روشنی، اتنا بڑا نور، اتنا عجیب و غریب چراغ اس پر اتنی خوبصورت قندیل اور اتنا قیمتی تیل اور وہ روشن ہو رہا ہے، کائنات اس نے منور کر دی تو لوگوں کو دکھائی کیوں نہیں دیتا فرمایا: يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۔۔۔ یہ روشنی دیکھنے کے لیے اللہ کی رضا حاصل کرنا پڑتی ہے ہر ایک کو نہیں نظر آتی۔ روشنی موجود ہے کائنات میں، لوگ اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ فرمایا، اس لیے کہ اللہ سے بنا کے نہیں رکھی۔ تو جس کی اللہ سے بن جائے گی اللہ پر ایمان لائے گا، اللہ کی اطاعت کرے گا تو اسے اللہ توفیق دیں گے یہ روشنیاں اس کے سامنے ہوں گی۔ کسی بزرگ سے عرض کیا گیا کہ حضرت ہر بندہ، پریشان ہے۔ اتنی پریشانیاں ہیں دنیا میں۔ ایک گھر میں ماں الگ پریشان، باپ کی پریشانیاں کسی اور طرح کی ہیں، اولاد کی پریشانیاں اور طرح کی ہیں، بہنوں کی اور طرح کی، بھائیوں کی اور طرح کی، بیوی آجائے اس کی اور طرح کی، عجیب بات ہے ہر بندہ پریشان ہے۔ تو انہوں نے فرمایا نہیں کوئی بڑی بات نہیں چھوٹی سی بات ہے، اس پر پریشان ہیں۔ حضرت چھوٹی سی کیسے ہے۔ فرمایا، یہ اللہ کے فیصلوں سے اتفاق نہیں کرتے۔ اتنی سی بات ہے، اگر یہ مان لیں کہ جو کچھ اللہ نے کیا ہے وہ درست ہے تو پریشانی ختم ہو جاتی ہے۔ ہوتا وہ ہے جو اللہ چاہتے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں ایسا ہو، ایسا نہ ہو۔ ایسا ہو نہیں سکتا اللہ کے فیصلے کے خلاف تو یہ پریشان ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے فیصلے مان لیں تو پریشانی ختم۔ جو ہوا میرے اللہ نے کیا، بیماری آ گئی میرے اللہ نے بھیجی، اس کا فیصلہ درست ہے، بیماری ہی چاہئے ہوگی۔ اس نے صحت مانگنے کی اجازت تو دی ہے، توفیق تو دی ہے، مانگیں صحت اس سے، کوئی منع تو نہیں کرتا لیکن بیماری پر روئیں چلائیں نہیں، مان لیں کہ یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ غربت آ گئی، افلاس آ گیا، ٹھیک ہے، فراخی مانگیں وہ منع تو نہیں فرماتا بلکہ نہ مانگنے سے ناراض ہوتا ہے۔ وہ ایسا کریم ہے جو نہ مانگے اس سے خفا ہوتا ہے لیکن فیصلہ تو اس کا ہوگا فیصلہ مان لو تو پریشانی ختم۔ تو یہ نور اتنا واضح، اتنا روشن ہے کہ اس دارِ دنیا سے لے کے جنت دوزخ کے داخلے تک سب کچھ دکھا رہا ہے۔ ایک صحابیؓ کا واقعہ ملتا ہے حدیث شریف میں کہ مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ کیا خوش نصیب لوگ تھے۔ کچی مسجد تھی، کھجور کے پتوں کی چھت تھی، بارش میں ٹپکنے لگتی تھی لیکن لوگ آتے تھے تو کائنات کے سردار ﷺ وہاں جلوہ افروز ہوتے تھے۔ تو حضور ﷺ نے دیکھا تو فرمایا، کیف اصبحت تم نے کیسے صبح کی؟

آج کی صبح کیسے ہوئی تمہاری۔ انہوں نے کہا، یارسول اللہ ﷺ ایمان کے ساتھ۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تیرے پاس کیا دلیل ہے کہ تیرا ایمان ہے۔ انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ میں یہاں کھڑا ہوا عرصہ محشر کو دیکھ رہا ہوں، میں حساب کتاب دیکھ رہا ہوں، میں جنتیوں کو جنت جاتے اور جہنمیوں کو جہنم میں گرتے دیکھ رہا ہوں، اور آپ ﷺ نے تصدیق فرمائی۔ فرمایا، ہاں تیرا ایمان درست ہے یَہۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ۔۔۔ جسے چاہتے ہیں اسے تو یہ روشنیاں دکھا دیتے ہیں۔ صحابیؓ نے عرض کی، حضور ﷺ نے تصدیق فرمائی۔ گویا عالم انسانیت کی زد میں ہے کہ وہ یہاں کھڑا دیکھ رہا ہو، قیامت سامنے ہو، عقائد، نظریات اور کردار کے نتائج سمجھ آرہے ہوں تو پھر بات کا مزہ آئے لیکن جو اس سے بنا کے رکھے، جو اسے راضی کرے جو اس کی اطاعت، اس کے نبی کا اتباع کرے، جس کے دل میں اس کی طلب ہو، وہ اس کو پکارے، وہ اس کے نام سے دل کو صاف کرے، اس کے نام سے دل کو روشن کرے، اس کے نام سے جسم کے ذرے ذرے کو، ایک ایک سیل کو چمکائے۔ یہ روشنیاں سامنے ہیں بھئی! یہ چھپی ہوئی تو نہیں ہیں، ہم نے، ہمارے نظریات نے، ہمارے کردار نے ان روشنیوں پر پردہ ڈالا ہوا ہے۔ ہم نے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں، ہم نے پٹی، پٹی پر پٹی، پٹی پر پٹی، پتا نہیں کتنی پٹیاں آنکھوں پر باندھ لی ہیں۔ ہم وہ پٹیاں اتار پھینکیں، آنکھیں کھولیں، روشنیاں سامنے ہیں، عقائد میں غلط نظریات کی بڑی موٹی تہہ ہے، مختلف گناہوں کی مختلف موٹی پٹیاں، طلبِ دنیا اور آرزوئے دنیا اور دنیوی لالچ، اللہ کے بغیر لوگوں سے، بتوں سے اُمیدیں۔ علامہ مرحوم نے کہا تھا ناں کہ

بتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نا اُمیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

تو فرمایا، اللہ اس طرح مثال دے کے بات واضح فرمادیتے ہیں لیکن یہ بھی یادرہے وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ۔۔۔ یاد رکھو اسے ہر چیز کی خبر ہے، جانتا ہے، وہ ذاتی طور پر ہر شئے کو جانتا ہے۔ یہ نہ سمجھنا کہ یہ پٹیاں فرشتوں نے خواہ مخواہ باندھ دیں، نہیں کردار تمہارا ہے۔ پٹی بندھ گئی۔ وہ دیکھ رہا ہے وہ جانتا ہے تم خود باندھ رہے ہو یہ پٹیاں، اتارو، آنکھوں کا علاج کراؤ، کسی طبیب کے پاس جاؤ جو آنکھوں کا علاج جانتا ہو پھر دیکھو روشنی کتنی ہے۔ فرماتے ہیں، جو لوگ انکار کر دیتے ہیں عظمتِ الٰہی کا انکار کر دیتے ہیں، عظمتِ رسالت پہ اعتبار نہیں کرتے، مرضی کے عقائد اپنا لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں، وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَعۡمَالُہُمۡ کَسَرَابٍۭ بِقِیۡعَۃٍ ۔۔۔ جو لوگ انکار کی راہ اختیار کرتے ہیں، کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کے اعمال جنہیں وہ اپنی طرف سے بڑا اچھا بھی سمجھتے ہیں بڑی کامیاب زندگی کہتے ہیں اپنی، ان کے اعمال کے نتیجے کے اعتبار سے مثال ایسی ہے جیسے کسی چٹیل میدان میں کسی کو سراب دکھائی دے۔ صحراؤں میں جب دھوپ چمکتی ہے، چٹیل میدان اور ریت پھیلی ہوتی ہے دور تک، جب دور سے دیکھیں تو لگتا ہے دریا بہہ رہا ہے، پانی کا سمندر ہے لیکن وہ نظروں کا دھوکہ ہوتا ہے پاس جاؤ تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جو عظمتِ الٰہی کے قائل نہیں ہوتے، رب کی دنیا میں اللہ کی نعمتیں لے کر، اللہ کا کھا کر مرضی سے جینا چاہتے ہیں پھر وہ سمجھتے ہیں میں نے بڑا تیر مارا، میں نے بڑی نیکی کی، میں نے قومی فلاح کے کام کیے، میں بڑے عہدے تک پہنچا، میں نے یہ کیا، وہ کیا۔ فرمایا، ان کے سارے اعمال کی حیثیت آخرت میں یہ ہے جیسے ایک چٹیل میدان اور صحرا میں سراب نظر آتا ہے۔ یَّحۡسَبُہُ الظَّمۡاٰنُ مَآءً ۔۔۔ پیاسا تو سمجھتا ہے وہ سامنے دریا ہے، پانی ہے، پانی تک میں پہنچ گیا۔ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَہٗ لَمۡ یَجِدۡہُ شَیۡئًا ۔۔۔ لیکن جب بھاگتا ہے، دوڑتا گرتا پڑتا وہاں تک پہنچتا ہے تو وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا، ریت ہی ریت ہوتی ہے۔ وَّوَجَدَ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ فَوَفّٰىہُ حِسَابَہٗ ۔۔۔ ہاں جب وہاں پہنچتا ہے جہاں آخرت کا سراب نظر آرہا تھا، آخرت تو موت کی وادی سے گزر کر پہنچتا ہے، برزخ میں جب پہنچتا ہے تو تب وہ سراب کھلتا ہے کہ جن چیزوں کو میں خوبصورت کہتا تھا وہ تو ایک سراب تھیں مگر وہاں اللہ کریم حساب لینے کے لیے تو موجود ہیں فَوَفّٰىہُ حِسَابَہٗ ۔۔۔ جو کیا تھا اس کے نتائج بھگتنے کو تیار ہو جاؤ وَاللّٰہُ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ۔۔۔ حساب کے معاملے میں اللہ کریم دیر نہیں کرتے،

کیونکہ جو انصاف تاخیر سے دیا جائے وہ بھی انصاف نہیں رہتا، جو انصاف دینے میں دیر کردی جائے وہ ظلم بن جاتا ہے، وہ انصاف نہیں رہتا، لہٰذا اللہ انصاف کرنے میں دیر نہیں کرتے، وہاں فوری انصاف ہے۔ یا دوسری مثال ان کی ایسی ہے۔ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ ۔۔۔ جیسے اندھیرے گہرے سمندر کی تہ میں کئی تاریکیوں کے نیچے کوئی پھنسا ہو يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۔۔۔ سمندر کی گہری تہ میں، اوپر موجیں پھیل رہی ہوں، موجوں کے اوپر موجیں، پھر اوپر سارا بادل چھایا ہوا ہو، گھٹا ٹوپ اندھیرا ہو۔ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۔۔۔ اندھیرے اور تاریکیاں ایک دوسرے کے اوپر تہ در تہ چھا گئے ہوں۔ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۔۔۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا ہو، اتنی تاریکی ہو کہ اپنے ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا ہو وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۔۔۔ اللہ کریم جسے روشنی عطا نہ کریں وہ کہیں اور سے کوئی روشنی پا نہیں سکتا۔ ان آیاتِ کریمہ میں دو انتہائیں انسانی کردار کی ارشاد فرمادیں۔ کوئی نور کی راہ پہ ہے، کوئی ابتداء میں ہے، کوئی درمیان میں ہے، کسی کو اللہ کریم بہت آگے لے گیا۔ کوئی تاریک راہوں میں ہے اور گہری تاریکی میں اترتا جارہا ہے، ہر قدم تاریکی کی طرف بڑھا رہا ہے۔ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۔۔۔ اندھیرے ہیں ایک دوسرے کے اوپر چھائے جارہے ہیں، جتنا گہرا جارہا ہے اتنے اندھیرے چھارہے ہیں۔ ان دو حالتوں میں سے ایک حالت میں ہر فرد و بشر گرفتار ہے۔ ہم کہاں ہیں؟ سوال تو یہ ہے، اگر ہم اپنے معاشرے کی بات کریں، ہم نے، ہمارے بزرگوں نے بہت بڑا کام کیا بہت بڑا، اس برصغیر پر کم و بیش سات سو سال بلاشرکتِ غیرے، دو ڈھائی تین سو سال خانہ جنگیوں میں لڑتے بھی ایک ہزار سال مسلمانوں کا اقتدار رہا۔ اسلامی اقتدار کی وہ تاریخ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ عالی ہے جس کا مفہوم یہ ہے بادشاہ ہوں گے، بادشاہوں میں اچھے بھی ہوں گے، برے بھی ہوں گے۔ سارے اچھے نہیں تھے لیکن بہت اچھے بھی تھے، ان بادشاہوں میں خاندانِ غلاماں بھی تھا یعنی غلاموں سے جو حکومت اور حکمرانی اور بادشاہت تک پہنچے۔

یہ بھی اسلام کا خاصہ ہے کہ جن میں استعداد تھی ان کا راستہ کسی نے روکا نہیں۔ جو غلام آئے تھے وہ حکمران بن گئے۔ خاندانِ غلاماں کا ایک بادشاہ دہلی میں شمس الدین التمش ہوا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ ایسا عجیب حکمران تھا۔ صوفی بھی تھا، اللہ اللہ کرتا تھا، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا مرید اور شاگرد تھا۔ خواجہ صاحبؒ کا وصال ہوگیا۔ بوقت وصال انہوںؒ نے وصیت میں یہ لکھوایا کہ میرا جنازہ وہ شخص پڑھائے جس نے غیر مؤکدہ سنتیں بھی نہ چھوڑی ہوں چار سنتیں عصر کے ساتھ غیر مؤکدہ ہیں چار عشاء کے ساتھ جس نے وہ بھی نہ چھوڑی ہوں، بغیر عذرِ شرعی جو غیر مؤکدہ سنتیں پڑھتا ہے پھر وہ باقی نماز کہاں چھوڑتا ہے، جس نے تہجد بھی نہ چھوڑی ہو اور تیسری ایسی کڑی شرط لگائی کہ جس نے بے وضو آسمان نہ دیکھا ہو یعنی بغیر وضو کے باہر نہ آیا ہو، اب ہوا یہ کہ وہاں سارے ہندوستان سے مخلوق جمع ہوگئی۔ خصوصاً علماء، صوفیاء، اللہ اللہ کرنے والے ان کے اپنے شاگرد بے شمار تھے۔ پھر شاگرد نہیں تھے، عقیدت مند تو سارا برصغیر تھا، بڑا مجمع ہوگیا، جنازے میں صفیں بن گئیں تو اب امامت کون کرے۔ اس وقت وصیت پڑھ کر سنائی گئی کہ جی یہ شرطیں ہیں تین۔ غیر مؤکدہ سنتیں بھی نہ چھوڑی ہوں بغیر عذرِ شرعی، بغیر عذرِ شرعی تہجد بھی نہ چھوڑی ہو اور بغیر عذرِ شرعی کبھی بے وضو آسمان نہ دیکھا ہو۔ بڑے بڑے صوفی کھڑے ہیں، بڑے بڑے معتبر عالم کھڑے ہیں اب جرأت نہیں آگے قدم کون رکھے۔ بالآخر اس شہنشاہِ ہند نے یہ کہہ کر قدم بڑھایا کہ حضرت خود تو پردہ فرما گئے اور میرا پردہ کھول گئے۔ اب شمس الدین التمشؒ نے جنازہ پڑھایا، یہ مسلمان بادشاہ تھے۔ آج کل تو ہمارا ٹی وی مسلمان بادشاہوں کا مذاق اڑاتا ہے ناں، نئی نسل کو بتایا جاتا ہے کہ یہ سارے مسخرے تھے اور یہ سارے بے دین اور بدکار تھے اور سارے عیاش تھے، آج کل ہمارا میڈیا نئی نسل کو یہ بتا رہا ہے کہ یہ سارے مسلمان بادشاہ جو تھے، کبھی میں نے کسی راجپوت ڈاکو یا ہندو ظالم کا یا کسی سکھ کا یا کسی غیر مسلم کا مذاق اڑاتے کبھی اپنے ٹیلیویژن کو نہیں دیکھا، مسلمان بادشاہوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور ساری قوم دیکھتی ہے اور افسوس مجھے اس بات کا ہوتا ہے کہ کسی کو دکھ نہیں ہوتا، سب

انجوائے کرتے ہیں۔کوئی ایسا نہیں جو انہیں یہ کہہ دے کہ کیا کر رہے ہو۔ لیکن اس پائے کے لوگ بھی تھے۔ان میں کچھ ایسے بھی تھے جن سے غلطیاں بھی ہوئیں وہ تو حضورﷺ کا ارشاد ہے کہ بادشاہ تو بادشاہ، ایک عام آدمی اپنے آپ کو نہیں سنبھال سکتا،جس کے پاس بادشاہت ہو وہ سنبھال لے تو ولی اللہ ہے۔ایسے بھی بادشاہ ہوئے ہیں اس برصغیر میں ساری سلطنت کے مالک، اپنی روٹی مزدوری کر کے کھاتے،ٹوپیاں سیتے،قرآنِ مجید کی کتابت کرتے،چوری سے بازار میں بیچتے،کسی کو نہ پتا چلے کہ یہ بادشاہ کی چیز ہے۔جو چند سکے آتے اس سے گزارا کرتے۔ اورنگزیب عالمگیر کسی وزیر سے بہت خوش ہوئے اور اسے کہا میں تجھے اپنے ذاتی کھانے میں سے بھیجوں گا،خوان بھیجوں گا۔جب اس کے پاس گئے تو بیسن کی آدھی روٹی تھی۔تو ان سب نے اس ملک میں نظام اسلامی رکھا۔عدالتوں میں عدل اسلام کے مطابق ہوتا تھا، بلکہ اورنگزیب عالمگیر نے جو اس کے زمانے کی عدالتیں تھیں اس میں جو فیصلے تھے وہ آج بھی ہمارے پاس فتاویٰ عالمگیری کی شکل میں موجود ہیں اور آج تک بھی علماء اس کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں لیکن یہ باتیں تو ہمیں کوئی نہیں بتاتا۔ہمارے ذرائع ابلاغ تو ان کا مذاق اڑاتے ہیں،انہیں مسخرہ اور بیوقوف اور عیاش ثابت کرنے پہ تلے ہوئے ہیں۔ہمارا رخ کس طرف ہے،قوم کا رخ کس طرف ہوتا ہے جس طرف قوم کی قیادت جارہی ہے۔قوم کی روحانی کہہ لیں یا تعلیمی کہہ لیں یا نظریاتی کہہ لیں قیادت کون ہے؟ میری رائے میں وزیراعظم ملک کا سربراہ ضرور ہے لیکن وہ نظریاتی لیڈر نہیں ہے، انتظامی لیڈر ہے۔اس کے پاس ملک کا انتظام وانصرام ہے وہ نظریات کا لیڈر نہیں ہے۔نظریات کا لیڈر وہ طبقہ ہے جو علم میں سب سے آگے ہے۔اب جہاں علم اور عمل جمع ہو جائیں وہ تو بہت بڑی بات ہوئی۔اوّل عمل میں سرفہرست کون سا عمل ہے۔کردار میں اعمال میں سرفہرست چوٹی پر عدل ہے۔عدل ہو تو باقی سارے کردار میں توازن آجاتا ہے عدل کہتے ہیں توازن کو،تو سارے کردار میں توازن آجائے تو اس کا مطلب ہے ہمارے جو عدلیہ کے سربراہ ہوں گے وہ ہمارے نظریاتی لیڈر ہوں گے،قوم کا تصور،نظریہ،عقیدہ۔

قوم ویسا بنا چاہے گی جیسے ہمارے عدلیہ کے فاضل سربراہ ہیں۔عدلیہ نیچے سے شروع ہو کر ضلع، پھر صوبہ، ہائی کورٹ اور ملکی سطح پر سپریم کورٹ میں چلی جاتی ہے اور جو سپریم کورٹ کے باوقار اور اعلیٰ مرتبہ ججز ہوتے ہیں جو پندرہ،سولہ،سترہ،دس بارہ جتنے بھی ہیں وہ پورے ملک کا نظریہ جمع ہو گیا ہے، پورے ملک کا نظریہ۔جیسا وہ سوچتے ہیں قوم ویسا سوچے گی، جیسا وہ کرتے ہیں قوم ویسا کرنا چاہے گی۔اب ان میں جو صاحب چیف جسٹس بن جاتے ہیں۔تو ہمارے آئین میں لکھا ہوا ہے کہ چیف جسٹس آف سپریم کورٹ نہیں چیف جسٹس آف پاکستان ہے وہ صرف سپریم کورٹ کا نہیں وہ پورے پاکستان کا لیڈر ہے، چیف جسٹس آف پاکستان کہا جائے گا۔ ہمارے بہت ہی قابل، بہت ہی لائق، بہت پڑھے لکھے اور نظریاتی لیڈر سپریم کورٹ کے معزز جج صاحبان ہیں۔ان کے نظریات کیا ہیں۔ ہمارے ایک فاضل جج صاحب اپنا فیصلہ لکھتے ہوئے اس کی بنیاد بناتے ہیں ایک اطالوی افسانے کو، ناول کو یعنی ان کا منتہائے نظر کیا ہے اقوامِ مغرب کا ایک ناول۔ناول تخیلاتی کہانی کو کہتے ہیں، وہ حقیقت میں کچھ نہ ہو وہ واقعہ ہوا نہیں ہوتا وہ تاریخ نہیں ہوتی، ایک بندہ اپنے دماغ سے سوچ سوچ کر ایک کہانی بنا کر لکھتا ہے، یہ ہوا وہ ہوا، اسے کہانی کہتے ہیں۔ یہ کہہ لیجئے ذہنی عیاشی ہوتی ہے پڑھنے والوں کے لیے، پڑھنے والے کو پتا ہوتا ہے یہ سارا جھوٹ ہے، یہ ہوا نہیں ہے لیکن ہمارے معزز سپریم کورٹ کے جج صاحب فیصلہ لکھنے سے پہلے اطالوی ناول کا جملہ اپنے فیصلے کی بنیاد بناتے ہیں اور وہ جملہ جھوٹ ہے۔مزے کی بات یہ ہے کہ ناول ویسے ہی جھوٹ ہوتا ہے اور وہ جملہ بھی جھوٹ ہے۔وہ جملہ کیا ہے کہ جہاں دولت ہوتی ہے اس کے پیچھے جرم کی داستان ہوتی ہے اور یہ بکواس ہے دولت کے پیچھے جرم بھی ہوتا ہے۔دولت کے پیچھے انصاف بھی ہوتا ہے۔اللہ کے پیغمبروں کو حکومتیں ملیں، بادشاہتیں ملیں، شہنشاہتیں ملیں۔ سلیمان علیہ السلام کو وہ بادشاہت ملی جو کسی اور کو نصیب نہ ہوئی۔ جن وانس اور پرندوں پر بھی ان کی بادشاہت تھی، ان کا تخت ہوا میں اڑتا تھا اور ان کے محلات دیکھنے سے تعلق رکھتے تھے کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی تھی۔تو نبی تو معصوم

ہوتے ہیں تو کیا ان کی دولت کے پیچھے جرم کی داستان ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نبی بھی تھے بادشاہ بھی تھے۔ یوسف علیہ السلام اللہ کے نبی بھی تھے مصر کے حکمران بھی تھے، تو کیا جوان کے پاس دولت تھی، انبیاءؑ تو معصوم ہوتے ہیں، جج صاحب اس کے پیچھے کون سی جرم کی داستان تھی۔ خود صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے فاقہ مستی میں بھی زندگی گزاری، بھوک اور افلاس بھی بڑا دیکھا لیکن جب ایران فتح ہوا اور یمن کے خزانے غنیمت میں آئے تو جو پرانے صحابہ کرامؓ تھے انہیں غنیمت سے اتنا حصہ ملا کہ ارب پتی ہو گئے تھے، ان کی دولت کے پیچھے جرم تھا؟ خود عہدِ نبوی میں غریب صحابہ بھی تھے، غنی بھی تھے۔ حضرت عثمانؓ جیسے بھی تھے اور بہت سے صحابہ کے نام مالدار لوگوں میں آتے ہیں، وہ تو صحابیت کی عظمت سے اور صحبت پیغمبر ﷺ سے آشنا تھے۔ کیا ان کی دولت کے پیچھے جرم تھا؟ تو پھر یہ کافر کا جھوٹ ہے ناں کہ ہر دولت کے پیچھے جرم ہوتا ہے۔ اب ہمارا اعلیٰ ترین انصاف دیکھیں۔ ہم اتنے مرعوب ہیں کفر سے کہ ایک کافر کے جھوٹ کو بنیاد بنا کر اس پر انصاف کیا جا رہا ہے۔ ہمارے فاضل جج صاحب کو قرآن سے حوالہ نہیں ملا، ہمارے فاضل جج صاحب کو حدیث سے حوالہ نہیں ملا، عہدِ صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین سے حوالہ نہیں ملا، چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ سے حوالہ نہیں ملا اٹلی کے ناول سے جو خود جھوٹ ہوتا ہے اور اس میں جو جملہ جھوٹ تھا وہ انصاف کی بنیاد بنا۔ اب اس کے بعد جناب چیف جسٹس صاحب نے ایک فیصلہ کیا، چیف جسٹس آف پاکستان وہ کیوں پیچھے رہتے انہوں نے حوالہ دیا ایک امریکن اسکالر یہ کہتا ہے ولاحول ولا قوۃ الا باللہ ۔۔۔ یہ ہے ہماری نظریاتی قیادت جو مغرب کی غلامی میں نہیں کہوں گا مغرب کی چاکری میں ڈوب گئی ہے، نوکری میں نہیں چاکری میں ڈوب گئی ہے۔ ان کے نوکروں کی اتنی غلام ہو گئی ہے کہ ان کا جھوٹ بھی ان کے انصاف کی بنیاد بن رہا ہے۔ جناب چیف جسٹس صاحب اگر یہ گستاخی نہ ہو اللہ مجھے معاف کرے میں احترام کرتا ہوں عزت سے نام لے رہا ہوں، سچ تو سچ ہے وہ تو کہنا پڑتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماں کی گود سے لے کر اداروں تک، Prep، پرائمری، مڈل، ہائی، کالج، یونیورسٹی، ڈاکٹریٹ کرنے تک کوئی دین نہیں بتاتا کوئی اللہ کا نام نہیں بتاتا، ہمیں ہماری ماؤں، دادیوں نے، باپوں داداوں نے اللہ کا نام بتایا، جب ہم چھوٹے تھے رواج یہ تھا کہ جو بچہ اسکول نہیں بھی جاتا تھا اس کی عمر کم ہے وہ مسجد ضرور جاتا تھا قاعدہ پڑھنے اور مولوی بھی پڑھاتے تھے۔ اب مولوی جنازہ بھی پیسے لے کے پڑھاتے ہیں بغیر پیسوں کے جنازہ بھی نہیں پڑھاتے، قاعدہ کون پڑھائے گا، اب تو مولوی جنازہ کے بھی پیسے لیتا ہے تو قاعدہ کون پڑھائے گا۔ وہ مولوی مفت پڑھاتے تھے، سارے بچے مسجد میں اکٹھے ہو جاتے تھے، کوئی قاعدہ کوئی سپارہ، کوئی کچھ پڑھ رہا ہے کوئی کچھ، ایک دینی تصور، عقیدہ دیتے تھے اللہ کا، اللہ کے رسول ﷺ کا، اللہ کی کتاب کا۔ بچے اسکول سے آتے تھے تو پچھلے پہر مسجد جاتے تھے، گھروں میں دین تھا، والدین کو نماز روزہ کرتے دیکھتے تھے۔ قدرت کا ایک نظام ہے میں اگلے دن دیکھ رہا تھا National Geography اس میں انہوں نے ابابیل کا دیا ہوا تھا کہ ابابیل عموماً پرانے کنویں جو ویران ہو جاتے ہیں ان کی دیواروں کے ساتھ اپنے گھونسلے بنا لیتے ہیں تو ابابیل کا گھونسلا وہ اپنے منہ سے ایک مادہ سا نکالتی ہے، ایک بڑا باریک سا گوند سے سوکھ جاتی ہے تو چھوٹا سا گھونسلہ ہوتا ہے۔ تو وہ لکھتے ہیں کہ جب اس کے بچے ہوتے ہیں اور وہ اڑنے کے قابل ہوتے ہیں تو مادہ اور نر بچوں کے سامنے ایک تو کنویں کی منڈیر پر بیٹھ جاتا ہے، دو میں سے ایک اور ایک گھونسلے کے کنارے پہ بیٹھ کے اڑان بھرتا ہے اور سیدھا کنویں کی منڈیر پہ جا بیٹھتا ہے اور گن کر (175) ایک سو پچھتر اڑانیں مادہ بھرتی ہے اور ایک سو پچھتر اڑانیں نر بھرتا ہے۔ اللہ نے ان کے ذہن میں ڈال دیا ہے۔ گھونسلے کے کنارے پہ بیٹھ کر اڑتی ہے مادہ سیدھی کنویں کی منڈیر پہ جا کے بیٹھ جاتی ہے، ایک سو پچھتر بار، پھر نر ایک سو پچھتر بار اڑتا ہے گھونسلے کے کنارے سے کنویں کی منڈیر پر۔ یہ ساڑھے تین سو چکر لگا کر فارغ ہو کر چلے جاتے ہیں۔ اب بچہ جب آتا ہے گھونسلے کے کنارے پر تو اس کی نگاہ کنویں کی منڈیر پر ہوتی ہے اس نے ماں باپ کو اڑتے دیکھا ہے

ناں، وہ اڑان بھرتا ہے سیدھا کنویں کی منڈیر پر۔ آج تک کسی نے ابابیل کا بچہ کنویں میں گر کر مرا ہوا نہیں دیکھا۔ تو بچے سیکھتے ہیں والدین سے، ہماری مائیں تہجد گزار تھیں، نمازی تھیں، ہمارے باپ نمازی تھے، ہمارے دادا نمازی تھے، ہم گھر کو خاندان کو مسجد کی طرف جاتے، نمازیں پڑھتے دیکھتے تھے۔ ہم بھی انگلی پکڑ کر چلے جاتے تھے تو ہم میں وہ دین تھا۔ اب معاشرے نے کروٹ لی، نہ مولوی دین سکھاتا ہے، نہ ماں سکھاتی ہے نہ باپ سکھاتا ہے، نہ ماں نماز پڑھتی ہے نہ باپ اور بڑے فخر سے کہتی ہیں مائیں میرا بچہ ابھی اسکول نہیں گیا لیکن انگریزی بول لیتا ہے۔ اسے اگر کہہ دو کہ انگریزی تو بول لیتا ہے اسے بسم اللہ شریف، کلمہ، قل شریف اسے کچھ سکھاؤ، وہ بڑا ہو کے کرلے گا، وہ بڑا ہو کے کیا کرتا ہے جب گھٹی میں ہی غلامی پڑی ہے۔ انگریزی سیکھنا بری بات نہیں ہے بین الاقوامی زبان ہے ضرور سیکھو، کوئی بھی فن سیکھنا بری بات نہیں ہے ضرور سیکھو بہت جدید جو فنون ہیں ماڈرن Technology جسے آپ کہتے ہیں بچوں کو سکھائیں خود سیکھیں لیکن دین کو چھوڑ کر نہیں پہلے دین سیکھیں کیونکہ یہ ساری Technology اس عالم کے لیے ہے اور اس عالم میں جو کردار ہوتا ہے اس کے نتائج آخرت میں ملتے ہیں۔ یہی عالم کے اعمال وہاں گنے جائیں گے تو اس Technology کو اس انگریزی کو ان علوم کو بہتری کے لیے استعمال کرے۔ بھلائی کے لیے استعمال کرے۔ بھلائی برائی کا پتا ہوگا۔ تو جہاں عالم یہ ہے کہ قوم کا چنا ہوا فرد آخری چوٹی پہ بیٹھا ہوا بھی امریکی اسکالر کا حوالہ دیتا ہے یا اطالوی افسانے کا تو باقی نیچے کیا ہوگا، جب دماغ کا یہ عالم ہے تو اعضاء و جوارح کیا کریں گے، یہی ہاتھ جو جسم کو ڈھانپتے ہیں جب دماغ خراب ہو جاتا ہے تب یہ لباس پھاڑنے لگ جاتے ہیں۔ تو اس سارے سے میری گزارش یہ ہے ماؤں اور باپوں سے خدا کے لیے بچوں کو دنیا کا ہر فن سکھائیں، انگریزی سکھائیں، فارسی سکھائیں، عربی سکھائیں، جاپانی سکھائیں، اطالوی، ساری زبانیں سکھائیں، سارے فنون سکھائیں لیکن خدا کے لیے پہلے دین سکھائیں پھر فنون سکھائیں، پہلے دین سکھائیں پھر زبانیں سکھائیں، یہ ہم نے وعدہ تو کیا تھا کہ پاکستان کا مطلب لا الہ الا اللہ پھر یہ بڑی دیر تک دیواروں پر لکھا بھی جاتا رہا اور پھر یہ حکمرانوں کے حکم سے مٹا دیا گیا کہ یہ کیا مصیبت لکھی ہوئی ہے اسے مٹا دیا جائے اب کہیں نظر آتا ہے؟ یہ بھی باقاعدہ حکم آیا تھا کہ یہ جہاں جہاں لکھا ہوا ہے مٹا دیا جائے، وہ تو ہم نے اللہ کا داؤ لگایا تھا کہ حکومت دے دیں تو ہم بندوں پہ بادشاہی کریں گے یہ بیس پچیس کروڑ غلام ہیں ہم ان پہ بادشاہ ہیں یہ لا الہ الا اللہ کہاں سے آ گیا؟ اسے مٹا دو تو حکومت نے "پچھتر سالوں میں جو کچھ معلومات دین کے بارے انگریز کے دور میں بھی تھیں مجبوراً انگریز نے بھی رکھیں، مسلمان حکمرانوں نے وہ بھی نکال دیں، اب ہمارا سارا نصاب فارغ ہے اور یہ نہ دیکھتے رہو کہ حکومت نصاب میں ڈالے گی۔ اللہ کے بندو! اولاد آپ کی ہے قیامت کو آپ نے جواب دینا ہے، عاقبت آپ کی ہے، خدا کے بندو بچوں کو سارے دنیا کے علوم سکھاؤ لیکن دین پہلے سکھاؤ۔ ماؤں سے میری گزارش ہے کوئی قاعدہ سپارہ خود بھی پڑھ لو بچوں کو پڑھاؤ، باپوں سے گزارش ہے ان معصوموں کو حلال کما کر کھلاؤ، حرام سے عمارتیں نہیں بنتیں، کیچڑ سے عمارتیں نہیں بنتیں، حرام کی غذا سے انسانوں کی تعمیر نہیں ہوتی درندے پلتے ہیں، دوسروں کا خون پی کر درندے بنتے ہیں انسان نہیں بنتے۔ باپوں سے میری گزارش ہے کہ بچوں کو حلال کھلاؤ، ہم سے بھی یہ پوچھا جائے گا کہ تم جن لوگوں کو دنیا میں لانے کا سبب بنے انہیں دنیا میں تم نے کیا سکھایا۔ تو میری گزارش ہے ماؤں سے، باپوں سے، بزرگوں سے، بچوں کو اللہ کا نام بھی بتاؤ، اللہ اللہ سکھاؤ، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعارف دو، دین بھی سکھاؤ، حلال حرام بتاؤ اور انہیں حلال کھلاؤ، بھئی ایک چڑیا بھی یہ جانتی ہے وہ بھی کوئی مضر صحت چیز بچے کو نہیں کھلاتی بلکہ ایسے کیڑے پکڑ کر لاتی ہے جن میں وٹامنز ہوتے ہیں اور بچے کو طاقت ملتی ہے۔ یہ تو ایک چڑیا بھی جانتی ہے ہم انسان ہو کر نہیں جانتے کہ کون سی غذا اس کے لیے مفید ہے۔ اسے حلال چاہئے، طیب چاہئے، صاف ستھرا چاہئے، حرام اس کے لیے سم قاتل ہے۔ ہم کیوں ایسا کرتے ہیں، ہماری دینی معلومات کا یہ عالم ہے کہ کالج کی بچیاں، ایم بی ایس پڑھتی بچی اپنی مرضی سے گھر سے بھاگ آتی ہے اور وہ پکڑی جاتی ہے اور وہ

بتاتی ہے کہ میں نے تو کرسمس پر اور ان عیسائیوں کی عید پر لاہور والے گرجا گھر میں خودکش دھماکہ کرنا تھا، خدا کی بندی عقلمند ہے بالغ ہے، ایم بی بی ایس میں پڑھ رہی ہے، ڈاکٹر بن رہی ہے۔ کیوں اسے نہ والدین نے دین بتایا نہ اس کے سارے تعلیمی نصاب نے، اب دین کے ساتھ وابستگی تو اس کی پیدائشی ہے، دین کے ساتھ تعلق تو ہے لیکن دین بتایا کسی نے نہیں، دہشت گردوں نے اب یہ نسخہ تاڑ لیا کہ انہیں دین کے نام پہ گمراہ کیا جائے۔ اس گناہ کو دین بنا کے پیش کیا جائے۔ اسے بتایا گیا کہ یہ دین ہے تم اللہ کے نام پر جان دو گی ان بندوں کو مارنا جہاد ہے وہ بیچاری مرنے کے لیے تیار ہوگئی۔ اب اگر اسے والدین کوئی دین کی واقفیت دیتے، اسے اس کا نصاب کوئی دیتے تو وہ بتاتی کہ خودکشی تو حرام ہے دین میں، یہ کیا کر رہے ہو بندوں کو ناحق قتل کرنا تو دین میں حرام ہے، یہ کون سا دین ہے، تم دین کے خلاف کام کو دین کہہ رہے ہو۔ لیکن کسی نے اسے بتایا ہی نہیں تو اس کا کیا قصور۔ وہ جی بڑی محبت میں آ کر گستاخی کی ایک طالب علم نے پشاور یونیورسٹی میں، دوسروں نے قتل کر دیا۔ اس بات کو چھوڑیں کہ اس نے کی یا نہ کی، اللہ ہی جانے، یہ تو اللہ کو حال معلوم ہے لیکن اگر کوئی گستاخی کرتا ہے واقعی اس کی سزا موت ہے لیکن سزائے موت کا طریقہ کیا ہے؟ یہاں ہمارے سامنے کوئی خدانخواستہ قتل کر دیتا ہے تو اس کی سزا بھی موت ہی ہے ناں، تو اگر ہم اسے قتل کر دیں تو ہم پر بھی قتل کا پرچہ ہو جائے گا کیونکہ یہ پھر قتل ہوگا سزا نہیں ہوگی، ہم اتھارٹی نہیں ہیں سزا دینے کے۔ ہاں اسے قانون کی عدالت میں لے جائیں ہم گواہی دیں کہ اس نے میرے سامنے قتل کیا عدالت اسے سزائے موت دے، وہ پھانسی لگ جائے، عدالت سے کوئی دشمنی نہیں کرتا، وہ قانون کا فیصلہ ہوتا ہے۔ کبھی ججوں سے کسی کی دشمنی نہیں بنی کہ اس نے میرے بیٹے کو پھانسی دی تھی، میرے بھائی کو سزائے موت دی تھی، کوئی بنتی ہے؟ کوئی نہیں، کیونکہ وہ قانون ایک نظام ہے۔ ہم اگر دیکھ رہے ہیں تو اس کے خلاف شہادت دیں اسے قانون کے حوالے کریں، اگر یونیورسٹی میں بھی کسی بچے نے ایسی حرکت کی ہے تو جن کے سامنے کی ہے وہ اس کے خلاف شہادت دیتے، اسے قانون کے حوالے کرتے انہوں نے اسے قتل کر دیا، کیوں؟ جنہوں نے قتل کیا وہ من وعن حضور ﷺ کے تابع تھے؟ جو بندہ حکم نہیں مانتا، وہ گستاخ نہیں ہوتا؟ یہ جو خود نمازیں نہیں پڑھتے، روزے نہیں رکھتے، ہیروئن پیتے ہیں، حرام کھاتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، بدکاری کرتے ہیں تو یہ ان کی محبت کدھر سے آ گئی؟ مطلب ہوا، گستاخوں کو گستاخ ہی مار رہے ہیں، اس میں دین کا تو کوئی عمل دخل نہیں ہے، کیوں ایسا کر رہے ہیں؟ انہیں دین کسی نے بتایا ہی نہیں۔ نہ والدین نے تکلف کیا گھر میں بتانے کا اور نصاب میں حکومت نے نہیں ڈالا تو پھر جو جس کا جی چاہے دین کی تعبیر کرتا رہے۔ ظلماً قتل کرنا بھی دین ہو گیا، دہشت گردی بھی دین ہو گیا، بیگناہوں کو مارنا بھی دین ہو گیا، عبادت خانوں میں بم پھوڑنا بھی دین ہو گیا، اس کی بنیادی وجہ کیا ہے؟ دین نہ گھروں میں بتایا جاتا ہے نہ نصاب میں اور اتنے محتاط ہیں ہمارے حکمران کہ غلطی سے بھی دین کی کوئی بات نصاب میں نہیں آنے دیتے۔ یار بھول چوک بھی بندے سے ہو جاتی ہے، یہ کام یہ غلطی سے بھی نہیں کرتے اور پھر بھگت بھی رہے ہیں، کہتے ہیں جی یہ دہشت گردی پہ قابو نہیں پایا جاتا۔ بھئی دہشت گردی پہ بندے کو سزا دینے سے قابو نہیں، بندوں کو مارنے سے قابو نہیں پایا جائے گا۔ بندے مارتے رہو گے اور آتے رہیں گے، دہشت گرد بن کیوں رہے ہیں؟ اس وجہ کو مٹاؤ۔ بندے مارتے رہو گے بندے اور آتے رہیں گے، یہ خلقِ خدا ختم تو نہیں ہوتی۔ وہ وجہ جو دہشت گرد بنا رہی ہے وہ دین سے عدمِ واقفیت ہے۔ لہٰذا بے دینوں نے یہ تاڑ لیا ہے کہ انہیں دین کا پتا تو ہے نہیں تو دین کے نام پر دہشت گردی کراؤ، ان سے جہاد کہہ دو، دین کے نام پہ قربانی دے دو، ایک دہشت گرد پکڑا گیا تو اس نے بتایا کہ وہ جب مجھے یہاں چھوڑنے آ رہا تھا دھماکہ کرنے، وہ دھماکہ کرنے سے پہلے پکڑا گیا۔ تو وہ خالی سڑک پر کار پر کبھی اِدھر لے جاتا کبھی اُدھر لے جاتا، تو میں نے اس سے پوچھا کہ سڑک تو خالی ہے، ٹریفک تو ہے کوئی نہیں، یہ کیا کر رہے ہو؟ وہ کہتا ہے، استقبال کے لیے اتنی حوریں آئی ہوئی ہیں کہ سڑک پر راستہ نہیں ملتا۔ اس طرح انہیں چکمے دیئے جاتے ہیں۔ اس نے کہا مجھے تو حور چھوڑ

کر گدھا بھی نظر نہیں آرہا، حور کہاں سے آئی۔ تو اس طرح سے انہیں پتا ہی نہیں، بیچارے کہ دین ہے کیا۔ دین سے وابستگی تو ہے، جانتے نہیں۔ انہیں بتایا جاتا ہے یہی دین ہے وہ جان بھی دے دیتے ہیں۔ تو اگر ہمارا نصاب انہیں صحیح دین کی طرف راہنمائی کرے، کتنا مشکل ہے یار کہ پرائمری تک بچے کو وضو کا طریقہ، نماز کے ارکان، نماز کا طریقہ بتا دیا تو کتنا بوجھ پڑتا ہے۔ مڈل تک اسے روزمرہ کے مسائل سمجھا دیئے جائیں تو کیا حرج ہے۔ میٹرک تک ایک آدھ سپارے کا ترجمہ سکھا دیا جائے تو کتنا فالتو بوجھ پڑتا ہے۔ ایف اے، بی اے، ایم اے تک چھوٹی سی تفسیر، چھوٹا سا حدیث کا کورس، روزمرہ کی باتیں بتادی جائیں تو وہ دہشت گرد تو نہ بنے۔ کم از کم اسے یہ تو پتا ہو کہ دین کیا ہے اور دین کے خلاف کیا ہے، تو جب تک یہ نہیں کیا جائے گا آپ نے دیکھا کتنا بڑا کام کیا جنرل راحیل شریف نے۔ ان سے پہلے بھی بہت سے جرنیل آئے۔ چیف آف آرمی سٹاف بھی آئے۔ حکمران بھی آئے لیکن دہشت گردی بڑھتی رہی، بڑھتی رہی، اب تو روزمرہ کا معمول بن گئی تھی۔ اس بندے کو اللہ نے ہمت دی اس نے بڑا کام کیا، بے پناہ کام کیا، بے پناہ واقعات روکے لیکن ہمارے ہاں ایک اور بڑا تماشہ ہے، جہاں حادثہ ہوتا ہے وہ تو کئی کئی روز زیر بحث رہتا ہے، ہمارے ذرائع ابلاغ۔۔۔ اچھا تم بتاؤ تم نے کیا سنا، تم بتاؤ تم نے کیا دیکھا، تم بتاؤ اس کی وجہ کیا تھی، تم بتاؤ، یہ ہفتہ بھر چلتا ہے۔ تو جو حادثہ ہونے سے پہلے فوج یا قانون نافذ کرنے والے ادارے پکڑ لیتے ہیں حادثہ نہیں ہونے دیتے اس کی ایک سطر کی خبر ہوتی ہے کہ وہاں وہ پکڑے گئے بس بات ختم، یعنی برائی کا پرچار تو ہفتہ بھر ہوتا رہتا ہے نیکی کی ایک چھوٹی سی جملے کی خبر آتی ہے، یہ ہمارا بڑا المیہ ہے۔ ہمارے ذرائع ابلاغ کو چاہئے کہ برائی کی تشہیر کم کریں اور بھلائی کی تشہیر زیادہ کریں۔ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ کسی ایک کی کوئی بات کیا کریں۔ بات کریں تو سب ناراض ہو جاتے ہیں، خفا ہو جاتے ہیں۔ تو اللہ راضی رہے چلو بات تو کرنا ہوتی ہے سچی بات تو کہنا پڑتی ہے۔ جنرل راحیل شریف نے بڑا کام کیا، بہت کام کیا اس نے ایک دفعہ ملک کو دہشت گردی سے محفوظ کر دیا اور اب بھی وہ پاکستان کا فخر ہیں۔ انتالیس اسلامی ممالک نے جو دہشت گردی کے خلاف فوج بنائی جسے ہمارا میڈیا کہتا ہے سعودی فوجی اتحاد۔ یہ غلط کہتا ہے وہ اسلامی ممالک کا فوجی اتحاد ہے۔ سعودی فوجی اتحاد نہیں ہے، انتالیس اسلامی ممالک کا فوجی اتحاد ہے اور کسی ملک کے خلاف نہیں ہے دہشت گردی کے خلاف ہے۔ اسلامی ممالک کا فوجی اتحاد دہشت گردی کے خلاف۔ کسی مسلمان یا کسی کافر ملک کے خلاف بھی نہیں ہے دہشت گردی کے خلاف ہے اور پاکستان کے لیے اعزاز ہے کہ پاکستانی جرنیل اس کا سربراہ مقرر ہوا ہے۔ اب سارے پاکستان کو، پتا نہیں اس بات پہ سیاستدانوں کو بھی، میڈیا کو بھی بڑی تکلیف ہے کہ وہ کیوں وہاں مقرر ہو گیا ہے۔ کمال ہے بھئی جو بات قوم کے لیے قابلِ فخر ہے۔ لیکن یہاں تو یہ ہوتا ہے ناں جی ہماری حکومت سے ہم نے مخالفت کرنی ہے۔ اگر وہ نماز بھی پڑھیں تو ہم کہتے ہیں نماز پڑھنا کون سی شرافت ہے۔ تو اس طرح سے ہو رہا ہے یہاں، اب اس پہ بھی تنقید آرہی ہے سیاست سے بھی اور دانشوروں سے اور دانشور بڑے بڑے ہمارے دانشور اور اتنے ہیں ہمارے پاس، دال روٹی کھا کے آجاتے ہیں ٹی وی پر دانش کے ڈھیر لگا دیتے ہیں۔ گھر میں بیوی کہنا نہیں مانتی اور اولاد بات نہیں مانتی، ٹی وی پہ دانش کے ڈھیر بکھیرے جا رہے ہیں۔ گھر میں کوئی پوچھتا نہیں۔ دوسری دفعہ سالن مانگیں تو منہ پر چمچہ مارتے ہیں، ٹی وی پر دانش بکھیری جارہی ہے۔ ساری خلافِ اسلام دانش بکھر رہی ہے لیکن یہ بھی درست ہے کہ جنرل راحیل شریف نے بہت کام کیا لیکن جو ذرائع جو سرپرست تھے، جو سرمایہ دیتے تھے، جو دہشت گردوں کی سرپرستی کرتے تھے انہیں نہیں چھیڑا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس دن وہ ریٹائر ہو کر اسلام آباد سے لاہور چلے گئے۔ دہشت گردی پوری جوبن پر پھر آگئی اور پورے ملک کے طول و عرض میں ایک دم سے ساری دہشت گردی جاگ گئی۔ پھر اس کا کریڈٹ موجودہ چیف جنرل قمر جاوید باجوہ کو جاتا ہے الحمدللہ! ۔ اس پر انہوں نے بڑے تھوڑے عرصے میں بڑی کامیابی سے قابو پایا اور انہوں نے تھوڑا سا آگے بڑھ کر کچھ ان ذرائع پر بھی ہاتھ ڈالا ہے جو دہشت گردی کو سرمایہ فراہم کرتے تھے، دہشت گرد جن کے پاس آکر

ٹھہرتے تھے، جو اس کا سبب تھے، کچھ وہاں تک، بات اللہ کرے تھوڑی سی اور آگے جائے۔ اللہ انہیں ہمت دے، توفیق دے۔ تو اس لحاظ سے انہوں نے راحیل شریف سے بھی بہتر کام کیا ہے اور خوبصورت اور بڑے تھوڑے عرصے میں، کیونکہ ایک دم ساری سو فیصد واپس آ گئی تھی ناں۔ تو الحمدللہ! اب تو ہم بھول بھال گئے ہیں کہ دہشت گردی بھی ہوتی ہے، پورے ملک میں اگر مہینوں بعد کہیں کوئی حادثہ ہوتا ہے تو یہ تو روٹین ہے۔ جہاں پچیس کروڑ بندے رہتے ہیں وہاں حادثات بھی ہوتے رہیں گے لیکن وہ عالم نہیں رہا کہ مسجد میں بھی دھماکہ ہو گیا، بازار میں بھی ہو گیا۔ تو اس کا کریڈٹ ہمارے موجودہ چیف صاحب کو جاتا ہے اور ہمارے جتنے فوجی نیم فوجی ادارے دہشت گردی کے خلاف کام کر رہے ہیں یہ مجاہد ہیں، یہ جہاد کر رہے ہیں، اللہ ان کا جہاد قبول فرمائے، اور ان میں سے جو لوگ دہشت گردی کے خلاف جانیں قربان کر دیتے ہیں یہ واقعی شہید ہیں۔ اللہ کی راہ میں اللہ کی مخلوق کو عالمِ اسلام کو، اسلامی ریاست کو، پاکستانیوں کو بچانے کے لیے جان قربان کرتے ہیں یہ شہید ہیں اور یہی شہادت ہے کہ سرِ میدان حق کی حمایت کے لیے جان دی جائے۔ لہٰذا ان کا احترام کیا جانا، ان شہداء کا احترام کیا جانا قوم کے ذمے ضروری ہے اور بڑے خوش قسمت لوگ ہیں جو شہید ہوتے ہیں یا غازی بنتے ہیں۔ جو بچ گئے وہ غازی ہیں، اللہ کے مقرب ہیں اللہ انہیں اور نیکی کی توفیق دے، دین کی سمجھ دے۔ جو پیالہ اجل کا پی لیتے ہیں وہ شہید ہیں خواہ وہ فوجی یا نیم فوجی ادارے کا جو بھی دہشت گردی کے خلاف قیامِ امن کے لیے جان دیتا ہے وہ شہید ہے اور قوم کو چاہئے، لوگوں کو چاہئے، ہمیں بھی چاہئے کہ ہم دہشت گردی کے خلاف جتنی مدد اداروں کی کر سکتے ہیں کریں۔ جو خبر دے سکتا ہے، کوئی اطلاع کر سکتا ہے، کوئی راہنمائی کر سکتا ہے، جو کوئی کر سکتا ہے وہ قوم کو کرنا چاہئے تو یہ ہمارا پہلو ہے ظلمات کا، یہ ہمارا عالم ہے اس میں ہم جی رہے ہیں۔ لیکن کیا ہمارے نصیب میں ظلمتیں ہی ظلمتیں ہیں؟ نہیں، وہ نظامِ الٰہی جو میں نے پہلے عرض کیا تھا اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (النور:35)۔۔۔ اللہ ہی کائنات کی روشنی ہیں تو اللہ کریم ہر عہد میں ایسے افراد بھی ہر جگہ، ہر ملک، ہر قوم میں، دنیا میں روئے زمین پر پیدا فرماتے رہتے ہیں جن کی زندگیاں اسی کام میں وقف ہو جاتی ہیں، پھر وہ اس نورِ الٰہی کو پانے کا سبب بنتے ہیں۔ جب معاشرے میں کوئی ایک بندہ بھی اس نور کو پاتا ہے تو پھر اس کے طفیل وہ نور سارے معاشرے پہ پھیلتا ہے پھر اس کے مزاج کے مطابق معاشرہ ڈھلنے لگتا ہے نیکی پڑھنے لگتی ہے لیکن عجیب بات ہے جب نیکی بڑھتی ہے تو برائی بھی بڑھتی ہے۔ یہ کیا ہوا بھئی؟ چونکہ اس نور کی مثال ابرِ رحمت کی ہوتی ہے بارش کی ہوتی ہے، جب بارش برستی ہے کھیتیاں ہری بھری ہو کر شاداب ہو کر اٹھتی ہیں، لہلہاتی ہیں، باغوں میں پھول بھی کھلتے ہیں پھل بھی لگتے ہیں تو آپ نے دیکھا اسی بارش سے جنگلی جھاڑیاں، خودرو گھاس، خاردار ہو جاتی ہیں اور پھر وہ کسان انہیں صاف کرتا ہے، فصلوں سے ہٹاتا ہے، باغوں سے ہٹاتا ہے، تب پھل پھول آتے ہیں۔ تو ان انوارات کی مثال اس بارش کی ہوتی ہے جب نیکی پھلتی پھولتی ہے تو برائی بھی پر پرزے نکالتی ہے، پھر نیکوں کے ذمے ہے کہ وہ گوڈی کریں اس باغ کی، برائی کے خلاف جہاد کریں برائی کو مٹائیں، گوڈی کریں، خاردار جھاڑیاں کاٹ دیں، صاف کر دیں تاکہ باغ خوبصورت ہو اور کھل اٹھے، یہ فطرت کا قانون ہے۔ تو یہ نظام عجیب طریقے سے چلتا ہے الحمدللہ! یہ لطیفۂ قلب سے شروع ہوتا ہے۔ بات کی بنیاد دل کی گہرائیوں میں رکھی جاتی ہے، قلب روشن ہو جائے مگر از خود روشن نہیں ہوتا یہ روشنی آتی ہے نبی کریم ﷺ کے قلبِ اطہر سے جو جہاں بھی کلمہ پڑھتا ہے اگر اللہ نظر دے، کسی کو دل کی آنکھ دے تو وہ دیکھ سکتا ہے روئے زمین پر جہاں کوئی کلمہ پڑھتا ہے، ایمان قبول کرتا ہے تو نور کی ایک تار اس کے دل سے نبی کریم ﷺ کے قلبِ اطہر سے جڑ جاتی ہے۔ یہ تو عمومی برکات ہیں، جسے پھر اللہ اللہ کی توفیق ملتی ہے تو اس کا رشتہ پھر اور سا ہو جاتا ہے وہ تار ہوتی ہے یہ پھر نہر یا دریا یا ایک موگا اس طرح بن جاتا ہے۔ قلب روشن ہوتا ہے تو بات روح تک جاتی ہے۔ روح سیراب ہوتی ہے تو سری تک، خفی تک، اخفاء تک پھر جا کر نفس کو سیک پہنچتا ہے، نفس بھی ذاکر ہو جائے تو پھر بدن کا ذرہ ذرہ۔ سلطان الاذکار نصیب ہو جائے، ایک ایک سیل ذاکر ہو جائے، دس کھرب سیل ہوتے ہیں بندے کے وجود میں تو ایک لمحے میں اس کے وجود سے دس کھرب بار اللہ اللہ نکلتا ہے۔ (جاری ہے۔۔۔)

سورۃ القصص

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک

از الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

قبول اجر منافی اخلاص نہیں جب پہلے سے اس کی نیت نہ ہو:

قولہ تعالیٰ: قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۚ فَلَمَّا جَاءَهُ (القصص:25)

ترجمہ: کہنے لگیں کہ میرے والد تم کو بلاتے ہیں تاکہ تم کو اس کا صلہ دیں جو تم نے ہماری خاطر پانی پلا دیا تھا۔ سو جب ان کے پاس پہنچیں۔

''اس لڑکی کا یہ قول لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ سن کر آپ کا چلا آنا اس پر دال ہے کہ اگر عمل بقصد عوض نہ ہو پھر بعد عمل کچھ عوض قبول کرلیا جاوے تو یہ منافی اخلاص نہیں اور حدیث قوس میں نہی احتمال افضاء کے سبب ہے جو شیخ کو قرائن سے مفہوم ہوتا ہے۔''

فرمایا موسیٰ نے کوئی اجرت پر پانی نہیں پلایا تھا لیکن اس بچی نے آکر یہ کہا کہ میرے والد آپ کو اس کا کچھ اجر، کچھ بدلہ دینا چاہتے ہیں تو موسیٰ ساتھ چلے گئے۔ تو فرماتے ہیں اس بات پر دلالت ہے کہ اگر کسی کا کوئی کام محض لِلّٰہ فی اللہ کر دیا جائے اس کے بعد وہ کچھ اجرت دینا چاہے تو قبول کر لینے میں کچھ حرج نہیں۔

کسب معیشت کا منافی توکل نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: أَن تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ ۖ (القصص:27)

ترجمہ: اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو۔

''اس پر دال ہے کہ نوکری یا مزدوری یا دیگر اسباب معاش منافی توکل نہیں البتہ جو شخص اس میں مشغول ہو کر علم یا عمل کے لئے فارغ نہ ہو سکے اور وہ تحمل بھی کر سکتا ہو۔''

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ آٹھ سال اگر تم میری بھیڑ بکریاں سنبھالو، میری ملازمت کرو، میرا کام کرتے رہو تو اس اجرت پر میں آپ کو اپنی بیٹی کا نکاح کر کے دیتا ہوں تو فرماتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نوکری کرنا یا مزدوری کرنا یا اسباب معاش اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں کہ اللہ کے اولوالعزم رسولؑ نے اگر نوکری کر لی تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ کے بندوں کے لئے حصول معاش تلاش کرنا ضروری ہے۔

اہل اللہ کو شان ہیبت عطا ہونا:

قولہ تعالیٰ: وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا (القصص:35)

ترجمہ: اور ہم تم دونوں کو ایک خاص شوکت عطا کرتے ہیں۔

''اس میں دلالت ہے کہ اہل اللہ کو من جانب اللہ ایک شانِ ہیبت عطا ہوتی ہے۔''

فرماتے ہیں اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ موسیٰ و ہارون علیہم السلام کو اللہ نے فرمایا کہ ہم تم دونوں کو خاص شان و شوکت عطا کرتے ہیں۔ تہی دست دو بندے ہیں جن کا لباس بھی عامیانہ سا ہے۔ کچے چمڑے کے جوتے ہیں۔ کوئی دولت و اختیار بھی نہیں۔ تیسرا بندہ بھی ساتھ کوئی نہیں اور کس طرح بڑا بادشاہ جو اپنی خدائی کا دعویدار ہے اور جس کے نوکر اور غلام بھی سونے سے لدے ہوئے ہیں اور محل و تخت سونے چاندی کے بنے ہوئے ہیں اور لشکر اور شان و شوکت ہے۔ تو فرمایا اس کی شان و شوکت دنیا کے اعتبار سے ہے، ہم آپ کو اپنی طرف سے خاص شوکت عطا کرتے ہیں، وہ آپ پر غالب نہیں آئے گا، آپ سے دبے گا، آپ کی شوکت اس سے زیادہ ہوگی۔ تو فرماتے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف سے ایک شانِ ہیبت عطا ہو جاتی ہے، لوگ خوامخواہ سے جھجکتے ہیں احترام کرتے

ہیں۔ایک شعر یہاں نقل کیا گیا ہے فارسی کا۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست
ہیبت از صاحب ایں دلق نیست

کہ یہ اللہ جل شانہٗ کی عظمت کا ڈر ہے یہ مخلوق کا ڈر نہیں، اہل اللہ سے جو ہیبت محسوس ہوتی ہے وہ عظمت الٰہی کی ہے خلق کی نہیں۔اہل اللہ کو جو شانِ ہیبت عطا ہوتی ہے یہ اللہ کی عظمت کا پرتو ہے۔

اہل اللہ کے اخلاق:

قولہ تعالیٰ: بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ (القصص:54)

ترجمہ: پختگی کی وجہ سے اور وہ لوگ نیکی سے بدی کا دفعیہ کردیتے ہیں۔

''اس میں اہل اللہ کے بعض اخلاق کا ذکر ہے۔''

فرمایا، اہل اللہ یعنی اللہ کے بندے برائی کو مناسب طریقے سے، جائز طریقے سے، شرعی طریقے سے دور کرتے ہیں۔اگلا اگر غلطی کرے یا برائی کرے تو دنیا داروں کی طرح جیسے کا تیسا نہیں کرتے بلکہ اس کا حل یا اس کا دفاع جو کرتے ہیں وہ شریعت کے مطابق کرتے ہیں۔شریعت کے مطابق جو کام کیا جاتا ہے وہ نیک ہی ہوتا ہے۔گویا جو ان سے برائی کرتا ہے وہ اس سے نیکی کرتے ہیں۔یہ قول ویسے تو بڑا مشہور ہے اور عام ہے کہ جو برائی کرتے ہیں ان سے نیکی کی جانی چاہیے اور برائی کا دفاع نیکی سے کیا جانا چاہیے۔عموماً اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ کوئی تھپڑ مار دے تو آپ اس کے ہاتھ کو بوسے دیں۔یہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ اگر کوئی زیادتی کرتا ہے تو اس کی زیادتی کو روکنا ضرور چاہیے لیکن روکنے کے لئے آگے سے کوئی زیادتی نہیں کرنی چاہیے، ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے جس کا جواز شریعت میں موجود ہے۔تو شرعی طریقے سے یا جو آپ کا جائز حق بنتا ہے اس طرح سے اگر آپ روکیں گے تو آپ کا وہ روکنا نیکی ہوگا کہ برائی کا دفاع نیکی سے ہوگا۔

ہدایت متصرف کے قبضہ میں نہیں:

قولہ تعالیٰ: اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ (القصص:56)

ترجمہ: آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں کرسکتے۔

''یہ صریح ہے اس میں کہ ہدایت کسی کی قدرت میں نہیں جیسا بعض جہلاء کا گمان ہے کہ شیخ کامل جس کو چاہے اپنے تصرف سے واصل الی اللہ کردے۔''

فرمایا، ہدایت اللہ کریم کی طرف سے ہے اور کسی انسان کے بس میں نہیں۔انسان کوشش کرسکتا ہے تبلیغ کرسکتا ہے، دعا کرسکتا ہے لیکن عملاً کسی کو نصیب ہو یہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے دست قدرت میں ہے اور جاہلوں کا جو یہ خیال ہے کہ مرشد کامل ہو تو ایک نظر میں واصل الی اللہ کردیتا ہے فرمایا یہ فضول ہے، اللہ کریم کی اپنی عطا ہے کہ وہ کسی کو کیا عطا کرتا ہے۔

شرائط سلوک:

قولہ تعالیٰ: فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ (القصص:67)

ترجمہ: البتہ جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک کام کیا کرے تو ایسے لوگ امید ہے کہ فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے۔

''اس میں وصول الی المقصود کو تین چیزوں پر معلق فرمایا۔توجہ قلب اور یہ توبہ ہے اور تصحیح عقائد اور یہ ایمان ہے اور اصلاح اعمال پس آیت تمام سلوک کی جامع ہے۔''

فرمایا، یہ آیت تمام سلوک کی جامع ہے کہ اس میں تین چیزیں فرمائی ہیں مَنْ تَابَ 'توبہ'، 'توبہ' توجہ قلبی ہے، دل متوجہ الی اللہ ہوتا ہے تو اس کو توبہ کہتے ہیں وَاٰمَنَ عقائد درست ہوں۔عقائد کو ایمان کہتے ہیں۔پہلی بات یہ ہے کہ اس کا دل متوجہ الی اللہ ہو پھر اس کے عقائد درست ہوں پھر اس کا عمل درست ہو۔یہ تین باتیں اللہ کریم نے بتائی ہیں وصول الی اللہ کی اور ان میں پورا سلوک بیان فرمادیا ہے۔

جبر محمود:

قولہ تعالیٰ: وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ (القصص:68)

ترجمہ: اور آپ کا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے۔ان لوگوں کو تجویز کا کوئی حق نہیں۔

''یعنی حق تعالیٰ کا سا اختیار نہیں اور وہ اختیار مستقل ہے اور اپنے اختیار کے غیر مستقل ہونے کا علماً و عملاً مستحضر رکھنا یہی جبر محمود ہے۔''

فرماتے ہیں بندہ درخواست کرسکتا ہے، دعا کرسکتا ہے، کوشش کرسکتا ہے، عمل کرسکتا ہے، عبادت کرسکتا ہے، مجاہدہ کرسکتا ہے لیکن یہ اختیار اللہ کو ہے کہ وہ کس کو چاہتا ہے، کس کو نہیں چاہتا، کس کو اپنا قرب عطا کرتا ہے، کس کو نہیں کرتا، کس کو پیدا فرماتا ہے، کس کو پیدا نہیں فرماتا۔ یہ اختیار اللہ کے پاس ہے۔ یہ کسی بندے کے پاس نہیں۔

بسط کا ادب:

قولہ تعالیٰ: لَا تَفْرَحْ (القصص:76)

ترجمہ: تو اترا و مت۔

''اس طرح احوال وواردات کو اپنی طرف منسوب کر کے اس پر فرحان ہونا مذموم ہے اور اگر نعمتوں کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے اس پر فرح کرے تو وہ مطلوب اور آیت قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا یونس:58 میں مامور بہ ہے اور مراد اس نسبت سے استحضاراً ہے نہ کہ اعتقاداً کیونکہ نسبت اعتقادی غیر اللہ کی طرف وہ تو کفر ہے اس میں کلام نہیں۔''

یعنی اگر کسی کو کوئی کیفیت کوئی حال نصیب ہو تو اسے اپنا کمال سمجھ کر فخر کرے تو مارا جائے گا یہ صحیح نہیں ہے۔ ہاں اسے اللہ کی نعمت سمجھ کر اللہ کا شکر کرے اسے اللہ کا احسان سمجھے تو یہ مقصد ہے، یہ مقصود ہے اس پر اسے مزید انعام عطا ہوتا ہے۔

ثمرات میں اپنے مجاہدہ کو موثر سمجھنا:

قولہ تعالیٰ: قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ (القصص:78)

ترجمہ: قارون کہنے لگا کہ مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنر مندی سے ملا ہے۔

''اس طرح ثمرات کو اپنی سعی اور مجاہدہ کی طرف منسوب کرنا مذموم ہے۔''

جس طرح قارون نے کہا کہ میری یہ دولت مجھے اللہ نے نہیں دی بلکہ یہ میری ہنر مندی، یہ میری سمجھ داری اور میری اپنی محنت سے ہے، میں نے یہ دولت جمع کی ہے، میرا کمال ہے۔ فرماتے ہیں اسی طرح کسی کو توفیق عبادت ہو یا اسی طرح توفیق ذکر ہو یا مراقبات مشاہدات ہوں تو اسے اپنی محنت اور اپنی عقلمندی نہ سمجھے بلکہ جو کچھ بندے کے پاس ہوتا ہے محض اللہ کی عطا ہوتی ہے اس پر زیادہ شکر کرنا واجب ہو جاتا ہے نہ کہ اس پر اترا تا رہے۔

علم وہ ہے جس سے دنیا مقصود نہ ہو:

قولہ تعالیٰ: وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (القصص:80)

ترجمہ: اور جن لوگوں کو فہم عطا ہوئی تھی وہ کہنے لگے۔

''اس قول کے مقابلے میں قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا یہ اس پر دال ہے کہ علم معتبر وہ ہے جس سے دنیا مقصود نہ ہو اور یہ دلالت ظاہر ہے۔''

دنیا داروں نے تو کہا کاش یہ قارون جیسی دولت اور یہ اتنا شاہانہ لباس اور یہ کروفر ہمیں بھی نصیب ہوتا لیکن جن کے پاس علم تھا وہ کہنے لگے کہ اللہ کا خوف کرو یہ سب فانی چیزیں ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں جانا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ علم وہ ہے جو آخرت پر دلالت کرے۔ ہمارے ہاں ایک بڑے مزے کی بات ہے، میرے ساتھ بھی کئی بار ہوئی ہے کہ جو لوگ قادیانی ہو گئے ہیں ان میں بھی بڑے پڑھے لکھے لوگ بڑے اعلیٰ عہدوں والے لوگ شامل ہیں۔ بعض لوگوں کو صحابہ کرام کی عظمت پہ بھی بڑا اعتراض ہو جاتا ہے اور وہ ان میں بھی بڑے پڑھے لکھے لوگ شامل ہیں اور بعض بدعات میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ بظاہر پی ایچ ڈی، تین تین مضمونوں میں ایم اے کیا ہوتا ہے، بڑھے پڑھے لکھے لوگ ہوتے ہیں تو کئی دفعہ لوگ کہتے ہیں یہ اتنے پڑھے لکھے لوگ ادھر کیوں چلے جاتے ہیں۔ ان کا جواب اس آیہ کریمہ میں ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں جن کے پاس علم تھا انہوں نے فرمایا کہ آخرت کی فکر کرو، یہ دولتِ دنیا فانی ہے، یہ کوئی چیز نہیں ہے۔ تو حضرت فرماتے ہیں کہ علم سے مراد علم آخرت ہے۔ دنیا میں جینے کا ڈھنگ علم حقیقی نہیں ہے، یہ وہ علم ہے جو انسانوں اور جانوروں سب میں ہے۔ جانور بھی جتنا طاقتور ہوتا ہے اتنا رہنے کے لئے جگہ بنا لیتا ہے۔ اپنے بچوں کو سہولت سے پال لیتا ہے۔ جتنا کمزور ہوتا ہے وہ اتنا چھپ چھپا کر اپنا وقت گزار لیتا ہے۔ تو اگر انسان بھی محض دنیا کمائے، بڑی بلڈنگیں

• بنالے، بڑی گاڑیاں رکھ لے تو یہ علم نہیں ہے یہ بڑی کامیابی نہیں ہے بلکہ علم وہ ہے جو آخرت کی خبر دے تو اس لحاظ سے یہ لوگ اہل علم میں شمار نہیں ہوتے۔ فرماتے ہیں علم وہ معتبر ہے جس سے دنیا مقصود نہ ہو اور اس میں دلالت ظاہر ہے کہ آخرت مقصود ہو دنیا مقصود نہ ہو۔

محل پر نصیحت میں تشدد:

قولہ تعالیٰ: وَيۡلَكُمۡ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيۡرٌ (القصص:80)

ترجمہ: اور تمہارا ناس ہو اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب ہزار درجہ بہتر ہے۔

''وَيۡلَكُمۡ کلمہ زجر ہے اس سے معلوم ہوا کہ نصیحت میں زجر بھی مشروع ہے جب کہ بات واضح ہو اور مخاطب نہ سمجھے۔''

وَيۡلَكُمۡ تمہارا ناس ہو یہ سختی کرنے کا، زجر کا، جھگڑنے کا کلمہ ہے۔ تو فرماتے ہیں نصیحت میں جب بات واضح ہو اور اگلا نہ سمجھ رہا ہو تو ان کو جھڑک دینا سختی سے کہہ دینا بھی جائز ہے جبکہ اللہ کی رضا اور مخاطب کی بھلائی کے لئے ہو۔

مجاہدہ کی مطلوبیت:

قولہ تعالیٰ: وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوۡنَ (القصص:80)

ترجمہ: اور وہ انہی کو دیا جاتا ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔

''دال ہے مطلوبیت مجاہدہ پر۔''

اس آیت پر دلیل ہے کہ مجاہدہ مطلوب ہے۔ صبر سے مراد مجاہدہ ہے، محنت ہے، مسلسل کوشش ہے، جدوجہد ہے۔

کبر کا مقصود حقیقی سے مانع ہونا:

قولہ تعالیٰ: تِلۡكَ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ نَجۡعَلُهَا لِلَّذِيۡنَ لَا يُرِيۡدُوۡنَ عُلُوًّا فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فَسَادًا ؕ (القصص:83)

ترجمہ: یہ عالم آخرت ہم انہی لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑا بننا چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا۔

''یہ اس پر دال ہے کہ آخرت سے جس طرح عمل بالمعاصی مانع ہے اور فساد سے یہی مراد ہے اسی طرح کبر بھی اس سے مانع ہے اور علو سے یہی مراد ہے اسی لئے اہل طریق ترک معاصی ہی کا سا اہتمام ازالہ تکبر کا بھی کرتے ہیں۔''

فرمایا، اللہ نے فرمایا کہ آخرت ان لوگوں کی ہے جو دنیا میں علو متکبر نہیں ہونا چاہتے، اپنی بڑائی کے پیچھے نہیں پڑتے اور فساد نہیں کرتے۔ ہر گناہ فساد ہے۔ تو چیزیں اللہ کے حکم کے خلاف عمل کرنا اور اپنی بڑائی میں مبتلا ہونا۔ فرمایا صوفی ساری عمران دو چیزوں کا تدارک کرتے رہتے ہیں کہ کبھی یہ چیزیں ہم میں پیدا نہ ہوں۔

وحدۃ الوجود:

قولہ تعالیٰ: كُلُّ شَىۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ ؕ (القصص:88)

ترجمہ: سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں بجز اس کی ذات کے۔

''روح میں ہے کہ بجز وجہ حق یعنی ذات حق کے ہر شَىۡءٍ یعنی ہر موجود هَالِكٌ ہے یعنی معدوم ہے۔ مراد یہ کہ کالمعدوم ہے کیونکہ اس کا وجود ذاتی نہ ہونے کے سبب ہر وقت قابل عدم ہے پس وہ وجود مثل لاوجود کے ہے اور وحدۃ الوجود کا یہی حاصل ہے پس آیت دلیل ہے مسئلہ وحدۃ الوجود کی۔''

كُلُّ شَىۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ سوائے اللہ کی ذات کے ہر چیز فناء ہونے والی، مٹنے والی ہے۔ تو فرماتے ہیں اس میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس میں دلالت ہے کہ جتنے وجود اللہ کے علاوہ ہیں وہ سب کسی بھی لمحے مٹ سکتے ہیں، فنا ہو سکتے ہیں، ان کا ہونا، نہ ہونے کے برابر ہے، اللہ نے قائم رکھے ہوئے ہیں لیکن کسی بھی لمحے ساری کائنات کو مٹا دیا جائے تو ساری مٹ سکتی ہے، کسی کا وجود مستقل نہیں۔ تو اس سے مسئلہ وحدۃ الوجود نکالا گیا ہے جو اس کی اصل ہے کہ وحدۃ الوجود سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی وجود ہے۔ باقی جو نظر آتے ہیں ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ ان کی کوئی مستقل ذاتی حیثیت نہیں ہے۔ اللہ کے قائم رکھنے سے قائم ہیں جب وہ مٹا دے گا تو مٹ جائیں گے۔ مسئلہ تو صحیح تھا مگر یار لوگوں نے پھر اس کا الٹ مطلب لے لیا کہ ہر چیز ہی اللہ ہے تو بالکل ہی الٹ ہو گیا۔ پھر حضرت مجددؒ نے وحدۃ الشہود کا فلسفہ دے کر اصلاح فرمائی۔

اکرم التفاسیر

سورۃ الشوریٰ، آیات 49 تا 53

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ط

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم کرنے والے ہیں۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ط

آسمانوں اور زمین میں اللہ کی بادشاہت ہے جو چاہیں پیدا فرماتے ہیں

يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ (49)

جس کو چاہیں بیٹیاں عطا فرماتے ہیں اور جس کو چاہیں بیٹے۔

اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ط

یا ان کو جمع فرما دیتے ہیں، بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اور جس کو چاہیں بانجھ کر دیتے ہیں۔

اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ (50) وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ

بے شک وہ بڑے جاننے والے بڑی قدرت والے ہیں۔ اور کسی آدمی کے لیے (موجودہ

اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا

حالت میں) ممکن نہیں کہ اللہ اُس سے بات کریں مگر الہام سے یا پردے کے پیچھے سے یا

فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ط

کوئی پیغمبر (فرشتہ) بھیج دیں تو وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہیں پہنچا دے۔ بلاشبہ وہ بڑے عالی

اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (51) وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ

شان، بڑی حکمت والے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف

رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ط مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ

روح القدس کے ذریعے (قرآن) بھیجا۔ آپ کو خبر نہ تھی کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ولیکن

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ط

ہم نے اس (قرآن) کو ایک نور بنایا اس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (52)

چاہتے ہیں ہدایت فرماتے ہیں۔ اور بیشک آپ سیدھے راستے کی طرف راہنمائی فرما رہے ہیں

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط

اللہ کی راہ (کی طرف) جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کے مالک ہیں۔

اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ (53)

دیکھو! سب کام اللہ کی بارگاہ میں ہی پہنچیں گے۔

آسمانوں اور زمینوں کی حکومت صرف اللہ کی ہے۔

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ط ۔۔۔۔ وہ جو چاہتا ہے تخلیق فرماتا ہے۔ زمین پر ہی ہم دیکھ لیں جو معلوم تاریخ انسانوں کے پاس ہے اُس میں کتنی چیزیں زمانہ قدیم میں تھیں پھر وہ نابود ہو گئیں۔ کتنی نئی چیزیں پیدا ہو گئیں۔ یہ اس کی اپنی صنعت ہے۔ اس کی ذات کے علاوہ جو کوئی بھی ہے وہ خود مخلوق ہے لہٰذا مخلوق کو مخلوق پر اختیار نہیں۔ وہ خالق تو نہیں ہے اللہ کے علاوہ جو کوئی بھی ہے وہ خود مخلوق ہے وہ خالق نہیں ہے۔ وہ کسی کو پیدا نہیں کر سکتا خود اُسے کسی نے پیدا کیا ہے۔ اُس کا مالک وہ ہے جس نے اسے پیدا کیا۔ تو حقیقی حکومت جو ہے حقیقی بادشاہت جو ہے وہ اللہ کی ہے۔ جب حقیقی حکومت اُس کی ہے، حقیقی اقتدار اُس کی ذاتِ بے ہمتا کا ہے تو پھر اطاعت اُسی واحد و لاشریک کی ہوگی۔ انسانوں کو بھی اُس نے اقتدار دیا، حکمران بنایا، بااختیار بنایا، بادشاہ بنایا لیکن انسانی بادشاہت کیا ہے؟ تخلیقِ انسانی سے پہلے جب فرشتوں کو اطلاع کی اللہ کریم نے تو فرمایا: اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ط (سورۃ البقرہ: 30) میں زمین میں ایک ایسی مخلوق پیدا کرنے لگا ہوں جو زمین پر میری نائب ہوگی۔ میرے احکام کو نافذ کرے گی۔ میری منشاء و مرضی کو بحیثیت

قانون چلائے گی لہٰذا دنیا میں کسی کو بہت بڑی سلطنت بہت بڑی حکومت بھی مل جائے تو اس کا ذاتی حکم نہیں مانا جائے گا۔ وہ مکلف اس بات کا ہے کہ وہ مخلوق تک اللہ کے احکام پہنچائے۔ خود بھی اللہ کی اطاعت کرے اور اللہ کی مخلوق سے بھی اللہ کی اطاعت کروائے۔ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ۔۔۔ اس لیے وہ حاکم ہے کہ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ کائنات میں کوئی دوسرا ہے جو تخلیق کا عمل کر سکے؟ وہ خود مخلوق ہے۔ حکومت اور بادشاہت سزاوار ہی اسی ایک ذات کو ہے۔ انسان اس کی بہت اعلیٰ مخلوق ہے۔ سب سے بہترین مخلوق ہے۔ پھر سب سے اعلیٰ ایک وصف جو انسان کو عطا فرمایا وہ معرفتِ الٰہی کی استعداد ہے۔ ساری مخلوق میں منفرد ہے انسان، جس کے پاس معرفتِ الٰہی کی ایک استعداد ہے، ایک طاقت ہے، ہر ایک کی اپنی ہے لیکن ہر ایک کے پاس ہے۔ ساری مخلوق میں ذاتِ باری کی طرف نگاہ کوئی نہیں اُٹھا سکتا، فرشتے حکم کے پابند ہیں۔ یہ سوچنا بھی اُن کے بس میں نہیں کہ حاکم کون ہے، کیسا ہے! یہ استعداد اُس نے انسانوں کو دی ہے۔ اب اتنی بڑی استعداد کو ضائع کر کے جب اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو دو ہی راستے ہیں۔ ایک اللہ کی اطاعت کا راستہ ہے، دوسرا راستہ ہے جسے ہم نافرمانی کہتے ہیں وہ شیطان کی پیروی کا راستہ ہے۔ ہر انسان یا اللہ کی اطاعت کرتا ہے یا شیطان کی۔ تو فرمایا، حقیقی حکومت اور حکمرانی زیبا اُسی ایک ذات کو ہے باقی اس کی سب مخلوق ہے۔ وہ جب چاہتا ہے، جو چاہتا ہے، پیدا فرماتا ہے۔ اس کی تخلیق کا عمل روزِ اوّل سے جاری ہے۔ جب تک معمورۂ عالم آباد ہے مسلسل جاری ہے۔ ایک لمحے میں کتنی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ کتنی مخلوق پیدا ہوتی ہے۔ سمندروں میں، فضاؤں میں، جنگلوں میں، صحراؤں میں، آبادیوں میں، انسان، حیوان، کیڑے، مکوڑے، کیا کیا پیدا ہوتا ہے! ایک مسلسل عمل ہے اور کتنی چیزیں فنا ہوتی ہیں تو جو خود مخلوق ہے وہ تو اِس عمل سے واقف بھی نہیں ہے اُس پر حکومت کرنے کا حق کیا ہے اُسے؟ پھر وہ قادر ہے: یَهَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا۔۔۔ وہ ایسا قادر ہے کہ ایک گھر میں چاہتا ہے تو بیٹیاں پیدا کر دیتا ہے۔ بندے کی دو، چار، پانچ، سات، بیٹیاں ہو جاتی ہیں کوئی بیٹا نہیں ہوتا: وَّیَهَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَ۔۔۔ کسی کو بیٹے دے دیتا ہے۔ دو دو، چار چار، پانچ پانچ، دس دس بیٹے ہو جاتے ہیں بیٹی کوئی نہیں ہوتی۔ کون کرتا ہے یہ؟ کون بناتا ہے انسانوں کو؟ کس کے بس میں یہ ہے؟ سوائے اللہ کے کوئی نہیں کر سکتا! یہ اسی کے بس میں ہے۔ وہی پیدا فرماتا ہے۔ وہ قادر ہے، وہ اپنی مرضی سے فیصلے کرتا ہے۔ انسان کو اختیار ہے جو چیز چاہتا ہے دعا کرے، مانگے لیکن اللہ سے۔ اولاد کے معاملے میں تو لوگ بڑے ہی پریشان ہوتے ہیں اور جگہ جگہ گھومتے ہیں اور پیسے بھی دیتے ہیں اور پاؤں بھی چومتے ہیں اور دھکے کھاتے ہیں۔ وہ فرماتا ہے، ہوگا تو وہی جو میں کروں گا۔ تو پھر طریقہ یہ ہے کہ اللہ ہی سے دعا کی جائے۔ دعا کے بھی اپنے آداب، طریقے اور سلیقے ہیں۔ ظاہر ہے ہم گھر میں بیٹھ کر دعا کریں گے تو اس کا اثر ایک اور طرح کا ہوگا لیکن وہی دعا اگر ہم مسجد میں بیٹھ کر کرتے ہیں تو اللہ کا گھر ہے اُس دعا کی جو قوت ہے وہ بدل جائے گی۔ وہی دعا ہم جا کر مسجدِ نبویؐ میں کرتے ہیں تو اُس مسجد کی برکت سے دعا میں زیادہ روشنی آ جائے گی۔ ہم وہی دعا بیت اللہ میں کرتے ہیں تو صورت بدل جائے گی۔ اسی طرح ہم کسی نیک آدمی سے کہتے ہیں میرے لیے دعا کر دے تو اچھی بات ہے، دعا تو اللہ سے کرنی ہے اور اللہ ہی سے کی جائے گی، کارساز وہی ہے۔ اُس کی اپنی حکمتِ بالغہ ہے وہ جانتا ہے کہ کہاں بیٹی ہونی چاہیے، کہاں بیٹا ہونا چاہیے۔ ایک ایک فرد جو ہے انسانیت کا وہ پوری دنیا کے ماحول کو متاثر کرتا ہے۔ انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے، سب سے اعلیٰ مخلوق ہے، اس کا کردار ساری مخلوق کو متاثر کرتا ہے۔ کائنات کی ساری فضا کو متاثر کرتا ہے۔ کہاں کس طرح کا بندہ ہونا چاہئے یہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کس کے ہاں بیٹی ہونی چاہیے، کس کا بیٹا ہونا چاہیے: اَوۡ یُزَوِّجُهُمۡ ذُكۡرَانًا وَّاِنَاثًا۔۔۔ کسی کو چاہتا ہے بیٹیاں بھی دیتا ہے، بیٹے بھی دیتا ہے۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے ہاں صرف بیٹیاں ہیں، بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے ہاں صرف بیٹے ہیں، بہت سے ایسے ہیں جن کے ہاں

بیٹیاں بھی ہیں، بیٹے بھی ہیں لیکن یہ اُن کا فیصلہ نہیں ہے، اُن کی منشاء نہیں ہے، ان کی رائے نہیں ہے۔ یہ اُس کا فیصلہ ہے۔ وہ جانتا ہے کہاں کس وجود میں سے کون سا وجود پیدا کرنا ہے، کتنی مہلت اسے دینی ہے، وہ کیسا ہوگا، شکل وصورت سے کیسا ہوگا، قد کاٹھ سے کیسا ہوگا، صحت بیماری سے کیسا ہوگا، مال ومنال میں کیسا ہوگا، علم اور اعمال اور کردار میں کیسا ہوگا؟ یہ وہ جانتا ہے تو جہاں چاہتا ہے کسی کو صرف بیٹیاں دیتا ہے یہ اُس کی اپنی حکمت ہے۔ جہاں چاہتا ہے صرف بیٹے دے دیتا ہے۔ جہاں چاہتا ہے بیٹے بیٹیاں دونوں دے دیتا ہے وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا۔۔۔ اور جسے چاہتا ہے اُسے اولاد دیتا ہی نہیں، بانجھ بنا دیتا ہے۔ اس کی کبھی اولاد ہوتی نہیں، یہ سارے فیصلے اُس کے اپنے ہیں۔ خالق وہ اکیلا ہے۔ کوئی ایسا نہیں جو اُسے کسی بات پہ مجبور کر سکے، زبردستی کرا سکے، رائے دے کر کرا سکے یا رشوت دے کر کرا سکے۔ یہ وہاں نہیں چلتا۔ مخلوق فیصلے ماننے کے لیے ہے منوانے کے لیے نہیں۔ بات ماننا عبادت ہے۔ عبادت مخلوق نے خالق کی کرنی ہے۔ مخلوق نے اُس کا حکم ماننا ہے۔ اُس سے اپنی رائے منوانی نہیں ہے۔ یہ غلط تصور ہے۔ پھر بندوں سے ہمکلام ہوتا ہے جو اللہ کی راہ پہ چل پڑتے ہیں، اُن کے سرخیل، اُن کے سربراہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوتے ہیں اور انبیاءؑ کوئی کام بغیر اللہ کے حکم کے نہیں کرتے اور اُمت کو وہی بات پہنچاتے ہیں جو اللہ کی طرف سے آتی ہے۔ جو اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں اُن کے دل میں بھی باتیں القا کی جاتی ہیں۔ ہمیں بھی القا ہوتے ہیں، وہ بھی دل میں باتیں آتی ہیں، کہاں سے آتی ہیں؟ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ (سورۃ الانعام: 121) یقیناً شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں بات ڈالتا رہتا ہے۔ اسے بھی وحی کہا گیا ہے: لَيُوْحُوْنَ۔۔۔ وحی کرتے ہیں۔ وحی سے مراد ہے کوئی بات دل میں ڈال دینا تو جو اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں اُن پر شیطان کی طرف سے باتیں نازل ہوتی ہیں اور وہ اُس کے اتباع میں لگے رہتے ہیں۔ اللہ کی راہ کے جو مسافر ہیں اُن سے اللہ کلام فرماتا ہے لیکن انسان میں اتنی استعداد نہیں کہ روبرو کلام کر سکے یا سن سکے۔ یہ عالم اور یہ وجود اتنی استعداد نہیں رکھتا۔ آخرت میں انسان کو یہ قوت دے دی جائے گی: فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (سورۃ ق: 22) تمہاری آنکھوں سے حجابات ہٹا دیئے گئے اور تمہاری نگاہیں مضبوط فولادی کر دی گئیں۔ تو آخرت میں جنہیں نجات نصیب ہوگی اُنہیں جمالِ باری بھی نصیب ہوگا۔ وہ اللہ کی زیارت بھی کر سکیں گے لیکن اُس عالم میں۔ یہاں بات کرنے کے، فرمایا، تین طریقے ہیں اور کوئی ذریعہ نہیں کہ کوئی بشر اللہ سے کلام کر سکے: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ۔۔۔ کسی بشر میں اس دنیا میں یہ قوت نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے ہاں! اِلَّا وَحْيًا۔۔۔ یہ ہے کہ بات اس کے دل میں ڈال دی جائے۔ اسے الہام یا القاء کہتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے بات دل میں آ جاتی ہے۔ اب یہ باتیں جو دل میں آتی ہیں القاء ہوتی ہیں تو کیسے پتا چلے کہ یہ بات اللہ کی طرف سے ہے؟ القاء تو شیطان بھی کرتا ہے پھر یہ اس کی طرف سے ہے؟ تو اس کا معیار اللہ کا نبیؐ ہوتا ہے صلی اللہ علیہ وسلم! نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو الہام یا القاء آتا ہے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جو بات ڈالی جاتی ہے اُسے حفاظتِ الٰہیہ حاصل ہوتی ہے، ایک بات۔ اُس میں شیطان کی بیشی یا اپنی بات نہیں ڈال سکتا، دوسری بات۔ نبیؐ کو یہ قوت دی جاتی ہے کہ وہ کبھی سمجھنے میں غلطی نہیں کرتا۔ جو بات جیسے آتی ہے، ویسے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُس کو سمجھتا ہے۔ ویسے ہی اُمت کو سمجھاتا ہے۔ تو کسی کے دل میں کوئی بات آئے تو معیار یہ ہے کہ اگر وہ خیال نبیؐ کی اطاعت کے اندر ہے تو یہ من جانبِ اللہ ہے۔ اگر اُس دائرے سے باہر ہے تو یا اسے سمجھنے میں غلطی لگ رہی ہے یا خیال ہی فاسد ہے، شیطان کی طرف سے آ رہا ہے۔ دو میں سے ایک بات ہے۔ چونکہ علمائے حق فرماتے ہیں کہ کشف نبیؐ کو بھی ہوتا ہے، ولی کو بھی ہوتا ہے۔ باتباعِ نبوت ولی کو بھی کشف ہوتا ہے۔ کشف دونوں کا ایک جیسا ہے۔ فرق کیا ہے؟ فرق یہ ہے کہ نبیؐ کو سمجھنے میں کبھی غلطی نہیں لگتی۔ ولی کی استعداد وہ نہیں ہوتی، اُسے سمجھنے میں غلطی لگ جاتی ہے۔ کشف چونکہ اللہ کریم کی جانب سے ہوتا ہے، تو نہ نبیؐ کا کشف غلط ہوتا

ہے نہ ولی کا کشف غلط ہوتا ہے، دونوں کو اللہ کی طرف سے ہوتا ہے نبی جو ہوتا ہے اسے سمجھنے میں غلطی نہیں لگتی ولی کو سمجھنے میں غلطی لگ سکتی ہے۔ لہٰذا ولی کا کشف محتاج ہے نبیؑ کے کشف کا۔ اگر اس کے مطابق ہے تو درست ہے۔ اگر اس سے ٹکراتا ہے تو اسے سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔ یہ باطل ہے اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ تو تین طریقے ہیں اللہ جب بندوں سے ہمکلام ہوتا ہے۔ پہلا یہ ہے القاء والہام: اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ ---یا پردے کے پیچھے سے صرف آواز سنائی دے۔ جیسے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ سے شرف کلامی نصیب تھا۔ آواز سنائی دیتی تھی، زیارت نہیں ہوتی تھی۔ اگر زیارت ہوتی تو پھر کیوں دعا کرتے کہ اللہ مجھے اپنی زیارت کرا دینا: اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ --- میں آپ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ؕ (سورۃ الاعراف: 143) مجھے اپنا جمالِ جہاں آرا دکھا دے۔ فرمایا: لَنْ تَرٰىنِیْ ---فرمایا ان آنکھوں سے، اس عالم میں تم نہیں دیکھ سکتے۔ اس عالمِ آب وگِل میں کسی انسان میں یہ قوت ہے نہیں کہ وہ جمالِ باری دیکھ سکے۔ اللہ نے دی نہیں معراج شریف کے واقعہ میں دو طبقے بن گئے ہیں۔ ایک طبقہ تو علماء کا وہ ہے جو کہتا ہے کہ حضور ﷺ کو اللہ کی زیارت نہیں ہوئی۔ چلو وہ تو بات ہی ختم ہوگئی اگر نہیں ہوئی تو اس عالم میں نہیں ہوسکتی۔ دوسرا طبقہ علماء کا جو ہے وہ فرماتا ہے کہ اگر شبِ معراج زیارت ہوئی تو وہ یہ عالمِ آب وگِل نہیں تھا، یہ دارِ دنیا نہیں تھا، انسانی وجود کا یہ عالم نہیں تھا، جو دارِ دنیا میں تھا۔ ہم سب زندہ ہیں کیا ہم اس وجود کو لے کر بالائے عرش جاسکتے ہیں؟ وہ عالم اور تھا۔ وجود باجودِ رسول ﷺ کی شان اور ہے۔ فرشتہ لطیف مخلوق ہے جہاں فرشتے کے بھی پر جلتے ہیں حضور ﷺ اُس سے تو آگے تشریف لے گئے، یہ تو طے ہے۔ یہ تو سب مانتے ہیں اس پر اجماع ہے۔ کہاں تک اللہ لے گیا؟ یہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے درمیان ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ یہ ملتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ پر جبرائیل امینؑ نے کہا کہ اس سے آگے میری جرأت نہیں ہے اور رفرف نامی سواری پیش کی۔ حضور ﷺ اُس پر آگے تشریف لے گئے، جہاں تک اللہ نے چاہا۔ اگر اُس عالم میں جمالِ باری کی زیارت ہو تو اُسے دنیا پہ قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ چونکہ وہاں حضور ﷺ کی نگاہ پاک وہ تھی جسے قرآن نے کہا ہے مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ ---آپ کی نگاہ پاک نہ بھٹکی نہ حد سے گزری یعنی جو حقائق تھے وہی نگاہِ پاک نے دیکھے، کوئی کمی بیشی نہیں دیکھی تو جس نگاہِ پاک کی یہ تعریف اللہ کریم فرمارہے ہیں، قرآنِ کریم فرمارہا ہے اگر وہاں جمالِ باری نصیب ہوا تو اللہ جانے اور اللہ کا رسول ﷺ جانے۔ اُس میں لب کشائی نہیں کرنی چاہیے۔ اس عالم میں فرمایا، تین طریقے ہیں۔ القاء والہام جیسے یہ اولیاءؒ کو بھی ہوتا ہے۔ جیسے موسیٰؑ کی والدہ ماجدہ کو ہوا کہ بیٹے کو دریا میں ڈال دو اور اُس الہام یا القاء میں جو اللہ کی طرف سے آتا ہے، تردد نہیں ہوتا، یقین ہوتا ہے۔ جو شیطان القاء کرتا ہے شیطان کے پجاریوں کو بھی اس میں تردد ہوتا ہے، شکوک ہوتے شبہات ہوتے ہیں۔ یقین حاصل نہیں ہوتا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ ---یا پردے کے پیچھے سے آواز سنائی دے، جیسے موسیٰ علیہ السلام کو سنائی دی تھی۔ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا ---یا جبرائیلؑ امین کو اپنے قاصد کو بھیج دے۔ فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ ---اپنی اجازت سے مَا یَشَآءُ ؕ ---جو چاہے عطا کر کے بھیج دے۔ جبرائیل امین کبھی تو تشریف لاتے اور حضور ﷺ کشفاً دیکھتے۔ اکثر تو یہی ہوتا تھا۔ سارے دین کی بنیاد ہی، کشف، الہام اور القاء پر ہے۔ وحی پر ہے۔ کبھی یہ بھی ہوتا تھا کہ وہ کسی انسانی روپ میں تشریف لے آتے، صحابہ رضوان علیہم اجمعین بھی دیکھتے پھر پتا چلتا، حضور ﷺ پوچھتے جانتے ہو یہ کون تھا؟ یارسول اللہ! اللہ جانے اللہ کا رسول ﷺ جانے! وہ فرماتے، جبرائیلؑ امین تھے۔ تو دنیا میں انسان سے ہمکلام ہونے کے تین ذریعے اللہ کے ہیں۔

(1) الہام والقاء۔

(2) پردے کے پیچھے سے کلام فرمائے۔

(3) یا فرشتے بھیج دے۔

وحی بھیج دے جبرائیل امین کو بھیج دے۔ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وہ بہت بلند مرتبہ، عالی شان ہے اور وہ حکمت والا ہے۔ وہ جانتا ہے، کہاں کس چیز کی کیا ضرورت ہے، کہاں کون سی چیز ہو سکتی ہے۔ یہ ساری استعدادیں اُس کی اپنی پیدا کردہ ہیں کوئی اُس کو کیا بتائے گا، اُس کی اپنی مخلوق ہے۔ جس طرح انسان خود مخلوق ہے، اس کی ساری صفات بھی اس کی مخلوق ہیں اللہ کی جسے جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے تو اللہ سے شرفِ ہمکلامی نصیب ہوتا ہے۔ سب سے اعلیٰ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ پھر جو انبیاءؑ کے متبعین ہوتے ہیں با تباعِ نبوت، یہ بھی معجزہ نبیؑ کا ہوتا ہے۔ ظاہر ولی سے ہوتا ہے تو اُسے کرامت کہتے ہیں۔ نبیؑ کی ذات سے ظاہر ہوتا ہے تو اسے معجزہ کہتے ہیں۔ معجزہ کام اللہ کا ہوتا ہے، ظاہر نبیؑ کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔ اسی طرح کرامت کام اللہ کا ہوتا ہے، اس کا اظہار ولی کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔ تو ولی کی کرامت بھی نبیؑ کا معجزہ ہے نبیؑ کی اتباع اور اطاعت کی وجہ سے اُسے نصیب ہوتی ہے۔ یہ اُس کے اپنے نظام ہیں۔ وہ بہت بڑی شان والا اور دانا تر ہے۔ وہ جانتا ہے، کس کام کو کیسے ہونا چاہیے، کس مخلوق کو کیا استعداد دی ہے۔ کون سی مخلوق کیا کر سکتی ہے اور اسی طرح فرمایا: وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ط۔۔۔ اسی طرح ہم نے آپ ﷺ پر بھی وحی نازل فرمائی۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک ہر نبیؑ پر وحی آئی، اگر آپ ﷺ پر آئی ہے تو اس پر یہ حیرت کیوں کرتے ہیں؟ کوئی نئی بات تو نہیں ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات پر بھی ہم نے اپنی وحی روح القدس کو جبرائیل امین کو نازل فرمایا، اپنے احکام دے کر۔ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ ۔۔۔ آپ کو کیا خبر تھی کہ قرآنِ کریم کیا ہے یا کمالِ ایمان کیا ہے؟ یہ تو آپ کو خبر نہیں تھی۔ چالیس برس قبل نبوت آپ ﷺ نے بسر فرمائی۔ ان چیزوں کا تو آپ ﷺ کو پتا نہیں تھا۔ باجماعِ اُمت نبیؐ پیدائشی طور پر نبیؑ ہوتا ہے۔ تخلیقی طور پر نبیؑ ہوتا ہے اور بعثت سے پہلے اُسے ایک خاص ولایت حاصل ہوتی ہے، جسے ولایتِ نبوت کہتے ہیں۔ راہِ سلوک کی منازل میں، فنا بقاء، سالک المجذوبی، عرشِ عظیم، پھر نو عرش، اُن کے بعد عالمِ امر شروع ہوتا ہے۔ مختلف دوائر ہیں۔ اس میں تقرب، توکل، تسلیم، رضا، چلتے چلتے ایک مقام آتا ہے جہاں ولی کی ولایت ختم ہو جاتی ہے۔ سفر ختم نہیں ہوتا۔ ولی کی ولایت ختم ہو جاتی ہے۔ آگے اس سے آگے کیا ہے؟ ولایتِ انبیاءؑ! پھر اس میں بے شمار دوائر ہیں وہ کبھی ختم نہیں ہوتے وہ انبیاءؑ کا خاصہ ہوتی ہے اور خال خال کہیں صدیوں بعد ہزاروں سالوں بعد، کسی ایک ولی کو اُس میں داخلہ نصیب ہوتا ہے اور ولی اس میں، ولایتِ انبیاءؑ میں کیسے جاتا ہے؟ جس طرح بادشاہ کا خادم شاہی محل میں جاتا ہے۔ بادشاہ کے ملازمین جو ذاتی ہوتے ہیں جو کھانا پکاتے ہیں، جو کھانا دیتے ہیں، جو لباس بدلواتے ہیں، جو بستر ٹھیک کرتے ہیں وہ سارے اس کے شاہی محل کے اندر ہی رہتے ہیں ناں! لیکن وہ بادشاہ تو نہیں ہوتے۔ تو کسی ولی کی روح کو ہزاروں سال بعد اگر ولایت انبیاء میں جانا نصیب ہو تو اس کا عالم یہی ہوتا ہے کہ وہ نبیؑ کے خادم کے طور پر اس میں داخل ہوتا ہے لیکن بعثت تک ہر نبیؑ کے پاس ولایت ہوتی ہے۔ یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ نے بتایا جب وہ بالغ ہوئے تو ہم نے انہیں ولایت عطا کر دی۔ بعثت بعد میں ہوئی، نبیؑ بعد میں ہوئے، ولایت عطا کر دی۔ ولایتِ نبوت ہوتی ہے لیکن اس میں تفصیل نہیں ہوتی نہ عقائد کی نہ اعمال کی۔ ایک کیفیت قربِ الٰہی کی ہوتی ہے اسی لیے نبیؑ پوری زندگی میں کوئی کام خلافِ شریعت نہیں کرتا۔ کسی نبیؑ نے جب بتوں کی پوجا سے منع کیا تو کسی کافر نے یہ نہیں کہا کہ کل تک تو آپ بھی ہمارے ساتھ ان کی پوجا کرتے تھے آج آپ کو کیا ہو گیا۔ کسی نبیؑ کو کسی کافر نے کہا؟ کسی نبیؑ نے بت کی پوجا نہیں کی۔ بعثت سے پہلے ہی چونکہ ولایتِ انبیاء حاصل تھی۔ کسی نبیؑ نے چوری نہیں کی ورنہ وہ نبوت کا اعلان کرتے تو لوگ کہتے کل تک تو تم لوگوں کے گھر ڈاکے ڈالتے پھرتے تھے آج نبوت کا اعلان کیے بیٹھے ہو۔ کسی نبیؑ نے زندگی میں جھوٹ نہیں بولا ورنہ کافر کہتے بھئی تمہاری تو عادت ہے پہلے

بھی جھوٹ بولتے ہو، آج بھی جھوٹ بول رہے ہو گے۔ تو نبیؐ کو بغیر نبوت کے احکام اور ان کی تشریحات کا علم نہیں ہوتا لیکن ولایتِ نبوت میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ قبل نبوت بھی اس کی زندگی پاک صاف اور شریعت کے مطابق ہوتی ہے۔ طبعی طور پر بغیر احکام کی تفصیل جانے۔ احکام اور اُن کی تفصیل نبیؐ کے علم میں بھی تب آتی ہے جب وحی نازل ہوتی ہے۔ حضور ﷺ نے بھی نمازیں ادا فرمائیں ناں جب فرض ہوئیں۔ روزے کے حدود و قیود نازل ہوئے آسمان سے حج کی فرضیت نازل ہوئی۔ احکام و شرائط نازل ہوئے، لیکن جو حکم بھی شریعت کا آیا اور حضور ﷺ نے اعلان فرمایا کوئی کافر یہ اعتراض نہیں کر سکا کہ پہلے تو آپ اس کے خلاف کرتے تھے۔ آج یہ حکم کیوں دے رہے ہیں؟ لہٰذا نبیؐ کو قبلِ نبوت ولایتِ نبوت حاصل ہوتی ہے لیکن تفصیل شریعت کی اس میں نہیں ہوتی۔ کردار شریعت کے مطابق ہوتا ہے اور صرف نبیؐ کا ہوتا ہے۔ جب وحی نازل ہوتی ہے تو پھر وہ کردارِ نبوت جو ہے پھر وہ ساری اُمت پہ پھیلتا ہے۔ ہر قبول کرنے والے کو اس میں سے ذرہ نصیب ہوتا ہے۔ ہر ایمان لانے والے کو اپنی حیثیت کے مطابق اُس میں سے انوارات و برکات نصیب ہوتی ہیں اس کا کردار ڈھلتا رہتا ہے۔ تو ہمیں لوگوں کا اندازہ کرنے کے بجائے اپنی فکر کرنی چاہیے کہ میرے کردار کا کتنا حصہ سنت کے مطابق ہے۔ یہ برکات ہیں نبوت کی، اور کتنا شیطان کی رائے کے مطابق ہے! ہر بندہ اپنا اندازہ کر سکتا ہے ورنہ نزولِ وحی سے پہلے آپ کو کیا پتا تھا:

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ ۔۔۔ آپ نے کبھی قرآن کا نام پہلے تو نہیں لیا، قرآن کے احکام نہیں سنائے، قرآن کی آیتیں نہیں سنائیں۔ اس لیے کہ جب تک آپ پر نازل نہیں ہوا تو آپ ﷺ کو کیا پتا تھا؟ اب جب نازل ہوا: وَلَا الْاِيْمَانُ ۔۔۔ آپ کو تو ایمان کی شرائط بھی آپ ﷺ کے علم میں نہیں تھیں، نہ کبھی آپ ﷺ نے کسی کو بتائیں لیکن آپؐ کا کردار آپؐ کا ایمان اتنا پختہ تھا کہ جب حضور ﷺ نے ایمان اور اعمال کے احکام بتائے تو کوئی کافر یہ نہیں کہہ سکے کہ کل تو آپ بھی یہ کرتے تھے آج اس سے منع کرتے ہیں یہ ولایتِ نبوت ہوتی ہے۔ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۔۔۔ ہم نے اس قرآن کو، آپ کے کردار کو آپ کے فرمان کو، آپ کے ارشادات کو ایک نور بنا دیا، روشنی بنا دی۔ اپنے بندوں میں سے جسے ہم پسند کرتے ہیں اسے سب سے بڑا انعام یہ دیتے ہیں کہ یہ نور عطا کر دیتے ہیں۔ نَهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۔۔۔ جو میرے بندے بنتے ہیں، شیطان کے بندے نہیں بنتے۔ جو مجھ پر ایمان لاتے ہیں جو میری اطاعت کرتے ہیں، ان میں سے پھر میں کسی کو اتنا سرفراز کر دیتا ہوں کہ آپ ﷺ کے اخلاقِ حسنہ کی جھلکیاں، اُس میں نظر آنے لگتی ہیں آپ ﷺ کی برکات سے اس کا سینہ منور ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے انوارات اس کے چہرے پر آجاتے ہیں۔ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔۔۔ اور یقیناً آپ ﷺ سیدھے راستے کی طرف راہنمائی فرماتے ہیں۔ جس کسی نے آپ ﷺ کا دامن چھوڑا وہاں اس نے ہدایت کا دامن چھوڑ دیا وہاں وہ گمراہ ہو گیا۔ جو کام اس نے سنت کے خلاف کیا، اُس نے غلط کیا اور یہ سیدھا راستہ کیا ہے، صراطِ مستقیم کیا ہے؟

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۔ یہ سیدھا راستہ اُس اللہ کا راستہ ہے، جو زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے وہ سب کا مالک ہے۔ کائنات کے ہر ذرے پر اُس کی حکومت ہے، اس کا اقتدار ہے۔ ہر چیز اس کی اپنی تخلیق ہے، اپنی پیدا کردہ ہے، اپنی ملکیت ہے۔ جو راستہ اس نے مقرر فرمایا آپ ﷺ وہی راستہ بتاتے ہیں اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۔۔۔ فرمایا یہ بات یاد رکھ لو، سب کردار اسی کی بارگاہ میں پہنچیں گے آج تو تم بڑی جرأت سے جو چاہتے ہو فیصلہ کر لیتے ہو۔ جو کام چاہتے ہو کرتے ہو لیکن یہ تمہارے فیصلے، یہ تمہارے کام یہ تمہارے اعمال، اُس کی بارگاہ میں پیش کیے جائیں گے۔ وہاں تمہیں کھڑا کیا جائے گا۔ کام کرتے وقت، فیصلہ کرتے وقت، طے کرتے وقت، بولتے وقت، یہ سوچ لیا کرو کہ یہ چیز میرے سامنے اللہ کے ہاں پیش ہوگی۔ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۔۔۔ انجامِ کار ہر شئے، ہر کام، ہر کردار، ہر سوچ، ہر فکر اس کی بارگاہِ عالی میں پیش ہوگی۔

قسط نمبر 2

شرح مشکوٰۃ المصابیح

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

عن عُمَرَ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَیْنَا رَجُلٌ شَدِیْدُ بَیَاضِ الثِّیَابِ شَدِیْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا یُرٰی عَلَیْہِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا یَعْرِفُہٗ مِنَّا أَحَدٌ حَتّٰی جَلَسَ إِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَأَسْنَدَ رُکْبَتَیْہِ إِلٰی رُکْبَتَیْہِ وَوَضَعَ کَفَّیْہِ عَلٰی فَخِذَیْہِ وَقَالَ یَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِیْ عَنِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْہَدَ أَنْ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَتُقِیْمَ الصَّلٰوۃَ وَتُؤْتِیَ الزَّکٰوۃَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَیْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَیْہِ سَبِیْلًا قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَعَجِبْنَا لَہٗ یَسْأَلُہٗ وَیُصَدِّقُہٗ قَالَ فَأَخْبِرْنِیْ عَنِ الْإِیْمَانِ قَالَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَأَخْبِرْنِیْ عَنِ الْإِحْسَانِ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَأَنَّکَ تَرَاہُ فَإِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَإِنَّہٗ یَرَاکَ قَالَ فَأَخْبِرْنِیْ عَنِ السَّاعَۃِ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْہَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَأَخْبِرْنِیْ عَنْ أَمَارَاتِہَا قَالَ أَنْ تَلِدَ الْأَمَۃُ رَبَّتَہَا وَأَنْ تَرَی الْحُفَاۃَ الْعُرَاۃَ الْعَالَۃَ رِعَاءَ الشَّاءِ یَتَطَاوَلُوْنَ فِی الْبُنْیَانِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِیًّا ثُمَّ قَالَ لِیْ یَا عُمَرُ أَتَدْرِیْ مَنِ السَّائِلُ قُلْتُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ أَعْلَمُ قَالَ فَإِنَّہٗ جِبْرِیْلُ أَتَاکُمْ یُعَلِّمُکُمْ دِیْنَکُمْ...

یہ کتاب الایمان کی پہلی حدیث ہم بیان کر رہے تھے تو ہم یہاں پہنچے تھے کہ سوال کرنے والے نے عرض کی، فَأَخْبِرْنِیْ عَنِ الْإِحْسَانِ کہ مجھے احسان کے بارے ارشاد فرمایئے۔ قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَأَنَّکَ تَرَاہُ فَإِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَإِنَّہٗ یَرَاکَ ۔۔۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا، احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت ایسے کر جیسے تُو اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر تُو اللہ کو نہیں دیکھ رہا تو کم از کم یہ درجہ ضرور حاصل ہو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ تو جو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اُس میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ ہم جب عبادت کرتے ہیں، نماز ادا کرتے ہیں تو کیا ہمیں یقین ہوتا ہے کہ ہم اللہ کریم کے روبرو ہیں؟ میرے خیال میں یہ کیفیت بہت کم ہوتی ہے۔ ہم کبھی چھینکتے ہیں، کبھی کھانستے ہیں، کبھی خارش کرتے ہیں، کبھی جمائی لیتے ہیں حالانکہ اگر ہم کسی عہدیدار یا افسر کے سامنے کھڑے ہوں تو یہ سب کچھ نہیں کرتے۔ بڑی احتیاط سے بڑے ادب سے کھڑے رہتے ہیں۔ کوئی عدالت میں کھڑا ہو یا کسی ڈپٹی کمشنر کے پاس یا ایس پی کے پاس یا کہیں کھڑا ہو تو وہ نہ سر کھجاتا ہے، نہ کھانسی آتی ہے، نہ جمائی آتی ہے، کچھ بھی نہیں ہوتا۔ خیالات بھی کوئی نہیں آتے ساری توجہ اُس کی طرف ہوتی ہے۔ بات کر رہا ہوتا ہے یا اُس کی بات سُن رہا ہوتا ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ نمازوں میں ہمیں سارے خیالات بھی آتے ہیں اور جمائیاں بھی آتی ہیں، کھانسی بھی آتی ہے بلکہ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ جب سجدہ کر کے اُٹھتے ہیں تو اگر دو صفیں ہیں، ایک صف ہے تو اِلّا ماشاء اللہ کوئی نہ کھانسے نہیں تو پوری صف کھنکورے لگاتی ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے تو اس کا معنی یہ کہ ہمیں یہ بھی تصور نہیں ہوتا کہ اللہ کریم ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ یہ تو دور کی بات ہے کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں۔ اللہ کریم کو دیکھنا اس ظاہری آنکھ سے اس دنیا میں تو ممکن نہیں۔ یہ

بحث ہوچکی پچھلے جمعہ پر لیکن دل میں اس کیفیت کا پیدا ہوجانا، یہ کیفیاتِ قلبی کی بات ہے۔ احسان ہی کو تصوف اور سلوک کہتے ہیں اور تصوف سارا ہے ہی دل کا معاملہ۔ کیفیاتِ قلبی کو اللہ کے نام سے، برکاتِ نبوت سے روشن کرنا، ترتیب دینا اور اُنہیں اتنا مضبوط کرنا کہ یقین ہوجائے اُنہیں کہ اگر چہ میں ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ رہا پر میں جمالِ باری کو دیکھ رہا ہوں اور اگر یہ ممکن نہ ہوتا تو اس کا حکم نہ دیا جاتا۔ چونکہ جو کام بندے کے بس میں نہیں ہے شریعت نے وہ ضروری قرار نہیں دیا۔ جیسے نماز میں قیام فرض ہے لیکن اگر کوئی کھڑا نہیں ہوسکتا تو اُس کے لیے فرض نہیں ہے وہ بیٹھ کر نماز پڑھ لے، فرض ساقط ہوجاتا ہے۔ رکوع وسجود نہیں کرسکتا وہ اشارے سے کرلے۔ تو فرائض ساقط ہوجاتے ہیں تو اگر یہ ممکن نہ ہوتا تو اس کا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام حکم ہی نہ دیتے۔ جب حکم دیا گیا تو اِس کا مطلب ہے یہ ہر انسان، ہر فرد، ہر بالغ مرد، عورت کے لیے ممکن ہے۔ جو بھی محنت کرے، جو بھی اللہ اللہ کرے، جو بھی کسی سے برکات حاصل کرے، اس میں دو چیزیں ضروری ہیں ایک ذاتی محنت اور ایک برکاتِ نبوت ﷺ، چونکہ برکاتِ نبوت میں سے ہیں یہ کیفیات۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاں سارا دین زبانی پہنچایا وہاں کیفیاتِ قلبی بھی پہنچائیں۔

دین سننا اور سمجھنا، دین کا علم حاصل کرنا ایک بات ہے لیکن جو بھی حضور ﷺ کی نگاہِ پاک کے سامنے آیا وہ صحابیؓ ہوگیا، یہ دوسری بات ہے۔ صحابیؓ ہوجانا اتنا بڑا درجہ ہے کہ روئے زمین کے سارے لوگ بھی اگر ولی اللہ ہوجائیں اور ولایت کی آخری منزل کو پہنچ جائیں، سب کی ولایت جمع کی جائے تو صحابیؓ کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں پہنچتے۔ وہ اتنے بلند ہیں کہ جہاں صحابیت کی انتہا ہے وہاں سے نبوت کی ابتداء ہوجاتی ہے۔ تو اتنا عظیم درجہ پانے کے لیے نہ اُنہوں نے کوئی مجاہدہ کیا، نہ چلے کاٹے، نہ نوافل پڑھے، نہ نمازیں پڑھیں، نہ روزے رکھے۔ ایک نگاہ کی بات تھی کہ قلبِ اطہر رسول ﷺ سے برکات اُن کے وجود میں، اُن کے قلب میں اُن کے سینے میں آگئیں اور وہ درجہ صحابیت پر فائز ہوگئے۔ یہی قوت صحابہؓ میں اس درجے کی تھی کہ حضور ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد جس صحابیؓ کی صحبت میں کوئی پہنچا وہ تابعیؒ ہوگیا۔ تابعینؒ کی خالی صحبت میں کوئی پہنچا وہ تبع تابعیؒ ہوگیا۔ یہ خیر القرون تھے، بہترین زمانے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق **خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم** ۔۔۔ سب سے بہتر زمانے آپ ﷺ نے فرمایا، جو زمانے گزر چکے اُن میں بھی اور جو آرہے ہیں اُن میں بھی سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے۔ پھر میرے بعد کا، پھر اُس کے بعد کا۔ تو گویا یہ تین دور، عہدِ نبویؐ، صحابہؓ کا دور بھی تھا، صحابہؓ کے بعد پھر تابعینؒ کا، پھر تبع تابعین کا یہ تین زمانے تمام زمانوں سے افضل ہیں۔ تو دین چونکہ مجموعہ ہے ارشاداتِ رسول اور برکاتِ رسول ﷺ دونوں کا تو دین کامل اُس کے پاس ہے جس نے ظاہری علم بھی سیکھا اور قلبی برکات بھی حاصل کیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول میں نے عرض کیا تھا کہ وہ فرماتے ہیں کہ جس نے ظاہری علم سیکھا، کیفیاتِ قلبی حاصل نہیں کیں اس کا گناہ میں مبتلا ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ اُس کے گنہگار ہوجانے کا اندیشہ ہے، وہ غلطیاں کرے گا۔ جس نے قلبی کیفیات حاصل کیں اور ظاہری معلومات حاصل نہیں کیں اُس کے گمراہ ہوجانے کا اندیشہ ہے، زندیق ہوجائے گا، راستے سے بھٹک جائے گا۔ جس نے ظاہری علم بھی حاصل کیا اور کیفیاتِ قلبی بھی حاصل کیں اُس نے پورا کام کیا۔ اُسے اللہ سے سلامتی کی اُمید رکھنی چاہیے۔ تو تبع تابعین کے بعد اولیاء اللہ اور اللہ کے بڑے اولوالعزم اور بڑے بلند حوصلہ لوگوں نے عمریں صرف کر کے اس نعمت کو حاصل کیا اور آگے پہنچایا اور جس طرح ان شاء اللہ قیامت تک قرآنِ کریم اور دین کی تعلیمات قائم رہیں گی اُسی طرح یہ برکات کا سلسلہ بھی جاری رہے گا۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں دینی معلومات بھی ہیں اور قلبی کیفیات بھی حاصل ہیں۔ تو یہ کیفیاتِ قلبی میں سے ہے کہ قلب میں اِس طرح کا نور بھر جائے، قلب کی آنکھ اتنی کھل جائے کہ جب آپ حضورِ حق میں حاضر ہوں تو اُسے یہ یقین ہوجائے کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں۔ اگر اتنی اہلیت حاصل نہیں کرسکے تو کم از کم اُسے یہ یقین ہو کہ میں اللہ کریم کے رُوبرو کھڑا ہوں۔ یہ یقین بھی حاصل ہوجائے تو پھر خیالات بھی نہیں آتے، کھجلی بھی نہیں ہوتی، جمائیاں بھی نہیں آتیں، کھانسی وغیرہ بھی نہیں آتی۔ یہ یقین ہو کہ میں اللہ کے رُوبرو کھڑا ہوں۔

تو نماز کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ یہ یقین تو ہو۔ اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ یہ یقین حاصل کرے، کیفیاتِ قلبی حاصل کرے، ذکرِ قلبی حاصل کرے، دل کے ساتھ محنت کرے، مجاہدہ کرے۔ آخر ہم روزی کمانے کے لیے کتنی محنت کرتے ہیں، کتنا مجاہدہ کرتے ہیں۔ دنیا کے لیے ہمیں کتنی مشقت اُٹھانی پڑتی ہے۔ لوگ وطن چھوڑ کر دور دراز چلے جاتے ہیں۔ برسوں نہ بچوں کی شکل دیکھی، نہ والدین کی، نہ گھر کی، مزدوریاں، محنتیں رات دن کر کر کے آخر پیسے ہی کماتے ہیں ناں، تو اتنی محنت قلب پہ بھی کیوں نہ کی جائے؟ اس کے لیے بھی کیوں نہ سفر اختیار کیا جائے؟ جہاں پتا چلے کہ یہ دولت مل سکتی ہے وہاں جایا جائے۔ اللہ کے بندوں کی صحبت تلاش کی جائے، وہاں جایا جائے، یہ نعمت حاصل کی جائے۔ اس پر رات دن محنت کی جائے۔ ہم عجیب لوگ ہیں کہ دائمی رہنے والی تو اللہ کی عبادات اور فرائض۔۔۔ فرائض تو مجبوری ہے۔ فرائض کے بغیر تو زندگی ممکن نہیں ہے جیسے پانی پینا، سانس لینا، روٹی کھانا اس کے بغیر کتنے دن گزارا ہوگا؟ اِسی طرح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ یہ فرائض جو ہیں یہ روح کے لیے اسی طرح ضروری ہیں۔ ان کے بغیر تو مر جائے گی، کتنے دن زندہ رہے گی؟ تو اصل محنت تو وہ ہے کہ جو فرائض ادا کرنے کے بعد ہم نفل کے طور پر محنت و مجاہدہ کرتے ہیں اور یہ جو قلبی ذکر اور قلب کے ساتھ محنت ہے اِسے تو علمائے حق نے فرض لکھا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مرحوم نے اپنی تفسیر تفسیر مظہری میں لکھا ہے ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے واجب ہے اور صوفیاء کرام سے پوچھیں تو کہتے ہیں عین فرضِ عین ہے۔ چونکہ یہ جو حضور ﷺ نے فرمایا أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ ۔۔۔ تو یہ نماز کے فرائض میں سے ہو گیا۔ تو فرض کے لیے جو چیز ضروری ہو وہ بھی فرض ہو جاتی ہے۔ جیسے نماز فرض ہے، وضو تو فرض نہیں ہے نفل عبادت ہے یا وضو رہنا اچھی بات ہے نہ رہو تو کوئی بات نہیں لیکن جب نماز فرض ہوتی ہے تو وضو بھی فرض ہو جاتا ہے کہ نماز کے لیے وضو ضروری ہے۔ تو جو چیزیں فرض کی ادائیگی کا سبب ہیں جب وہ فرض ہوتا ہے تو اسباب بھی فرض ہو جاتے ہیں۔ تو جب یہ فرض ہے کہ اللہ کی عبادت اِس طرح کریں کہ گویا میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں تو اُس کے لیے مجاہدہ بھی فرض ہو گیا، ذکر کا سیکھنا بھی فرض ہو گیا، اُس کے لیے تلاش کرنا ایسے لوگوں کا، ایسے بزرگوں کا، اللہ کے ایسے بندوں کا جہاں یہ دولت بٹتی ہو وہ بھی فرض ہو گیا۔ تو یہ ضروری ہے کہ اتنی محنت کرے اتنا مجاہدہ کرے۔

ہم اتنے کمزور ہیں کہ بعض اوقات ساتھیوں کی میل (Mail) آتی ہے میں لطائف کر رہا ہوتا ہوں اور مجھے خیالات آتے ہیں تو پھر اس کا مطلب ہے آپ لطائف کر ہی نہیں رہے۔ توجہ آپ کی خیالات کی طرف ہے تو لطائف کیا کر رہے ہیں؟ توجہ بھی تو لطائف کی طرف ہو کہ ٹھوکی ضرب لگ رہی ہے، لطیفے پر چوٹ لگ رہی ہے، اللہ کا نام اندر جا رہا ہے۔ توجہ اگر دوسری طرف ہے خیالات آ رہے ہیں تو پھر آپ محض سانس کی مشق کر رہے ہیں، کر تو کچھ بھی نہیں رہے۔ دیکھیں ناں آدمی ایک وقت میں دو باتیں تو نہیں سوچ سکتا، ایک ہی سوچتا ہے۔ اگر خیال آ رہے ہیں تو اس کا مطلب ہے آپ کی توجہ ذکر کی طرف نہیں ہے۔ اگر ذکر کی طرف توجہ ہو تو خیالات کیوں آئیں۔ تو گویا یہ بہت ضروری ہے کہ ذکرِ قلبی کے لیے ایسے لوگوں کو تلاش کیا جائے، اُن کے پاس رہا جائے، وقت نکالا جائے محنت کی جائے۔ یہ دولت ساتھ قبر میں جائے گی۔ جو ہم دنیا کماتے ہیں وہ یہاں رہ جائے گی۔ وہ وارثوں کا مال ہے۔ وہ بھی اگر ہم نے حلال کمایا اور جائز جگہ خرچ کیا تو اللہ کی عبادت ہے۔ اگر حرام کمایا، جمع کر کے مر گئے تو عذاب کا سبب بنے گی اور قرآنِ کریم میں آتا ہے کہ وہ سونا چاندی جو ناجائز لوگوں نے جمع کیا ہوگا اُس کو دوزخ میں گرم کر کے اُسی سے اُن کے چہروں کو، اُن کی پیٹھوں کو داغا جائے گا کہ یہ دولت ہے تمہاری۔ تو اُس کے لیے تو رات دن مخلوق لگی ہوئی ہے اور اس کے لیے کسی کے پاس فرصت نہیں ہے حالانکہ یہ زندگی کی ضرورت ہے۔

پھر اُس کے بعد اُس پوچھنے والے نے عرض کی فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ ۔۔۔ اُس نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ مجھے قیامت کے بارے بتائیے قیامت کب ہو گی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پوچھنے والے سے بتانے والا زیادہ نہیں جانتا یعنی جتنا تم جانتے ہو اتنا ہی میں بھی جانتا ہوں۔ قیامت کا علم اللہ کے پاس ہے حتیٰ کہ کس لمحے کس گھڑی واقع ہو گی یہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جو سوال کر رہا ہے جتنا وہ جانتا ہے اتنا میں بھی جانتا ہوں۔ جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ

بھی اتنا ہی جانتا ہے۔ تم بھی جانتے ہو کہ اللہ ہی کو علم ہے کہ قیامت کب ہوگی میں بھی جانتا ہوں کہ یہ علم اللہ ہی کو ہے۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کس لمحے، کس دن، کس تاریخ کو واقع ہو جائے گی۔

قَالَ فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَاتِهَا۔۔۔ تو سوال کرنے والے نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! پھر قیامت کی کچھ نشانیاں ارشاد فرمادیجئے۔ کچھ حالات و واقعات جو قیامت سے پہلے ہوں گے وہ ارشاد فرمادیجئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قَالَ أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا۔۔۔ پہلی نشانی یہ ہوگی کہ کنیزیں اور لونڈیاں اپنے مالکوں کو جنیں گی۔ یہ بڑا عجیب ارشاد ہے حضور نبی کریم ﷺ کا اور اس کے بہت سے معنی علماء نے کئے ہیں لیکن اُن سب میں آسان، قابلِ فہم اور معنی جو زیادہ قریب تر ہے، وہ یہ ہے کہ ماؤں کا احترام اُٹھ جائے گا۔ لوگ ماؤں کے ساتھ وہ سلوک کریں گے جو کنیزوں، باندیوں، نوکرانیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جب ماؤں کو باندیوں اور کنیزوں کی طرح سمجھیں گے یعنی لونڈی اپنے مالک کو جنے گی۔ بیٹا جوان ہوگا تو اُس کی حیثیت مالک کی بن جائے گی اور ماں کی حیثیت غلام کی یا کنیز کی یا لونڈی کی رہ جائے گی اور یہ نشانی آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ زیادہ مہذب ہونے کا دعویٰ اہلِ مغرب کو ہے کہ ہماری بڑی تہذیب ہے۔ اُن کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ ماؤں کو، باپوں کو ایک اولڈ ہوم کے نام سے بنے ہوئے ہیں بوڑھوں کے گھر، خیراتی ادارے جو لوگوں سے خیرات مانگ کر وہاں بوڑھوں کو رکھتے ہیں اور اُنہیں دو وقت کھانا چائے دیتے رہتے ہیں۔ کپڑے شپڑے دے دیتے ہیں۔ اُن کا علاج معالجہ بھی کرتے ہیں لیکن وہ سب خیرات پر ہوتا ہے تو جوان اولاد اپنے بوڑھے ماں باپ کو وہاں چھوڑ آتی ہے اور پھر وہ مرنے تک اولاد کی شکل کو ترستے رہتے ہیں۔ جنہیں زیادہ مہذب ہونے کا دعویٰ ہے اُن کا تو یہ حال ہے اور ہمیں جنہیں مسلمان ہونے کا دعویٰ ہے ہمارا عالم بھی یہ ہے کہ وہ ماں جو بچے کو بولنا سکھاتی ہے وہ باپ جو اُسے بولنا سکھاتا ہے، وہ بات کریں تو جوان بچہ کہتا ہے چپ کر بابا آپ کو تو بات کرنا آتی ہی نہیں۔ یہ کمال نہیں ہوگیا؟ کیا یہ سب ہم دیکھ نہیں رہے؟ اکثر گھروں میں جب بہوئیں آجاتی ہیں تو ماؤں کا کام صرف برتن مانجھنا یا کپڑے دھونا رہ جاتا ہے اور جو کھانا بچوں سے اور بڑوں سے بچتا ہے وہ اُن کو دے دیا جاتا ہے۔ کیا یہ ہم سب کچھ دیکھ نہیں رہے؟ اکثریت کی بات میں کر رہا ہوں۔ خال خال گھروں میں تو ادب واحترام، الحمدللہ ہے اور اللہ ایسے گھروں کو قائم رکھے اور اُنہیں بہت برکت دے لیکن اکثریت کا عالم یہ ہے کہ اب یہاں پاکستان میں بھی اولڈ ہوم بننا شروع ہو گئے ہیں ''اپنا گھر'' کے نام سے، کسی اور نام سے، جہاں بیماروں کو، بوڑھوں کو جو جسے اپنے گھر میں فالتو سمجھو وہاں چھوڑ آؤ۔ خیرات زکوٰۃ پہ پلتے رہتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب یہ عالم دیکھو تو سمجھو کہ یہ قیامت کی نشانی ہے کہ قیامت قریب آگئی ہے۔ قیامت سے پہلے یہ عالم ہوگا کہ لوگ ماؤں کے ساتھ ایسا سلوک کریں گے گویا وہ کنیزیں اور باندیاں ہیں یعنی کنیزیں اپنے مالک کو جنیں گی۔

اس کے اور بھی معنی کیے گئے ہیں لیکن زیادہ موزوں اور قابلِ فہم عام فہم معنی یہ ہے کہ ماؤں کے ساتھ نوکرانیوں جیسا سلوک ہوگا اور وہ ہم دیکھ رہے ہیں۔ آج بوڑھی عورتیں، بوڑھے مرد بیچارے خاموش ہو کر آنسو بہاتے رہتے ہیں۔ باپ کو بیٹے سے بات کرنی ہو تو وہ سوچتا رہتا ہے کہ کیسے بات کروں کہ ناراض نہ ہو، جھڑک نہ دے اور اکثر عالم یہ ہوتا ہے کہ ساری زندگی محنت کر کے جو مکان بناتے ہیں میں نے دیکھا ہے بہوئیں آجاتی ہیں کہتی ہیں بابا کمرے خراب کرتے ہو اندر کھانستے ہو تھوک دیتے ہو۔ تمہارے جوتے گندے ہوتے ہیں، فرش خراب کر دیتے ہیں۔ جاؤ مسجد میں چلے جاؤ، پنکھا لگالو، غسل خانہ ہے، وہاں پانی بھی ہے، نہالو، پنکھا لگالو، وہاں سوجاؤ۔ ہمارے گاؤں میں تو یہ ہوتا ہے دیہات میں یہ کرتی ہیں، اتنی مہربانی کرتی ہیں کہ یہاں مساجد ہیں تو اُن میں پنکھے بھی ہیں، غسل خانے بھی۔۔۔ جا بابا، مسجد میں نہالے، پنکھا لگا کے سوجا، کمرے خراب نہ کر۔ ساری عمر محنت کر کے اُس نے بنائے تھے اب اُسے کمرے میں گھسنے کوئی نہیں دیتا۔ کھانے کا وقت ہو تو دس دس باتیں سنائی جاتی ہیں۔ کھانے کی چٹی پڑ گئی، کام کا نہ کاج کا دشمن اناج کا، بس کھانے کے وقت کھانے میں صحتمند ہے، ویسے بیمار ہے، ویسے بوڑھا ہے کھاتا تو دس روٹیاں ہے۔ تو وہ کیا، کھانا بھی حرام ہو جاتا ہے اُس غریب کا جو تھوڑا بہت کھاتا ہے، تو یہ نشانی بھی آج ہم دیکھ رہے ہیں۔

دوسری نشانی جو حضور اکرم ﷺ نے فرمائی: وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ۔۔۔ پھر انہوں نے ارشاد فرمایا تُو دیکھے گا ننگے پاؤں والے، ننگے بدنوں والے مفلسوں کو، بکریوں کے چرواہوں کو کہ وہ محلوں میں نظر آئیں گے اور اُن پر فخر کریں گے۔ آج ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں۔ ایسے ایسے لوگ حکمران بن گئے ہیں جنہیں کلمہ نہیں آتا۔ ایسے ایسے لوگ حکمران بن گئے ہیں جن میں انسانیت نام کی کوئی چیز نہیں ہے، جنہیں بات کرنے کی تمیز نہیں ہے اور ایسے ایسے لوگ ہمیں اقتدار میں نظر آتے ہیں جن کے والدین کل مزدوری کرتے تھے۔ فرمایا، تُو دیکھے گا ننگے پاؤں والے، ننگے بدنوں والے مفلسوں، بکریوں کے چرواہوں کو کہ وہ محلوں میں نظر آئیں گے اور اُن پر فخر کریں گے۔ تو اقتدار کے ایوانوں میں بھی اب۔۔۔ کوئی دور کی بات نہیں، پیچھے دور نہیں جانا پڑتا یہیں پاکستان بننے کے بعد جن کے باپ یہاں جو خود مزدوری کرتے تھے آج اُن میں سے بیشتر کو ہم حکومت کے ایوانوں میں دیکھتے ہیں۔ اقتدار کی گلیوں میں پھرتے ہوئے، اقتدار کی گردشوں میں نظر آتے ہیں۔ یہ بھی ہے، اور عمومی طور پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ مانگ کر کھاتے تھے، ساری سردیاں مانگ کر گزارا کرتے تھے، گاؤں میں آجاتے تھے، شام کو مسجد میں چلے جاتے اور وہاں آواز لگاتے تھے۔ اہل محلہ اللہ آپ کا بھلا کرے مسجد میں اتنے مسافر ہیں، اور لوگ تھوڑی تھوڑی روٹی اُنہیں بھیج دیتے تھے۔ آج اُن کے دروازے پر گاڑیاں کھڑی ہیں اور اُنہوں نے کوٹھیاں بنائی ہوئی ہیں بڑی بڑی خوبصورت۔ جیسی کوٹھیاں اسلام آباد میں ہیں ویسی کوٹھیاں آپ کو یہاں جنگلوں میں بھی نظر آئیں گی۔ تو فرمایا، مفلسوں کو، ننگے بدن، ننگے پاؤں چلنے والوں کو، بکریوں کے چرواہوں کو محلات میں دیکھو گے اور اُن پر وہ ناز کریں گے فخر کریں گے۔ یہ نشانی بھی آج ہم دیکھ رہے ہیں۔

آج دیکھ لو ہمارے ان دیہات میں ہمارے سامنے، پہلے کی بات میں نہیں کر رہا ہمارے سامنے کسی کو ایک مکان بنانا ہوتا تھا اُسے ہم کوٹھا کہتے تھے۔ ایک کوٹھا بنانا ہوتا تھا تو وہ دس بارہ آدمی برادری کے لے جاتا تھا، پہاڑ سے پتھر نکالتا تھا۔ انہیں کوئی دیہاڑی نہیں دیتا تھا، ایک وقت کا کھانا دے دیتا تھا، مانگ کے لے جاتا تھا۔ پھر وہ مستری کو اُس وقت کوئی دو آنے چار آنے دیہاڑی دیتے تھے تو وہ جا کر اُن پتھروں کو تھوڑا چھانٹ تراش کر چوکور کر دیتا تھا پھر اُونٹ والوں کو بھاڑا دیتے تھے وہ پتھر اُٹھا کر لا دکر لے آتے تھے۔ پھر ایک مستری لگایا جاتا تھا جسے ہر چھ مہینے بعد فصل سے کچھ حصہ گندم یا باجرہ دیا جاتا تھا وہ مفت میں کام کرتا تھا اور دیوار بناتا تھا اور مزدور مانگ کر لگائے جاتے تھے۔ آج تم ہماری دیہاڑی لگا دو تو رشتہ داروں سے برادری سے مانگ کر۔ اپنے کھیتوں سے اپنے جنگلوں سے لکڑیاں کاٹ کر لائی جاتی تھیں اور پھر اُن کی چھت ڈالی جاتی تھی ٹیڑھی، میڑھی بالیں اور ٹیڑھی میڑھی لکڑیاں اور اُوپر سنتھل وغیرہ ڈال کر۔ بڑے خوش ہوتے تھے کہ مکان بن گیا۔ بڑا سا مکان بناتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ اُس مکان کے ایک طرف رات کو سردیوں میں جانور بندھے ہوتے تھے، بیل، گائے، بھینس، ایک طرف سونے کی جگہ بنی ہوتی تھی درمیان میں چولھا بنا ہوتا تھا۔ یہ سارے کام ایک ہی کوٹھے میں ہو جاتے تھے۔ پھر تھوڑی سی آسودگی ہوئی تو پھر جانوروں کے لیے الگ الگ کوٹھا، کھانے پکانے کے لیے چھوٹا سا الگ کوٹھا بن گیا لیکن سارے پتھر کے اور پکے تراشے ہوئے پتھروں کے کم، سارے عموماً بغیر تراشے ہوئے کچے پتھروں کے مٹی سے لپے ہوئے، ان میں ہم نے گزارا کیا ہے۔ لڑکپن جوانی گزاری ہے۔ آج دیکھ لیں کسی گاؤں میں کوئی پتھر کا نام نظر نہیں آتا۔ ہر جگہ اینٹوں کی دیواریں بن رہی ہیں۔ لینٹر کی چھتیں پڑ رہی ہیں۔ کوئی آج لکڑی جلانے کے لیے نہیں لاتا، کہتا ہے گیس دو۔ جہاں گیس پائپ نہیں پہنچے سیلنڈر لے آتے ہیں۔ آج لکڑی جلانے کو کوئی پسند نہیں کرتا۔ یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ قیامت سر پر ہے۔ بھوکے ننگے رہنے والے مفلس لوگ، ان پڑھ چرواہے، گڈریے پختہ مکان، کوٹھیاں، بنگلے بنا رہے ہیں۔ جو شیشہ اسلام آباد میں عمارتوں میں لگا ہوتا ہے جس میں سے باہر سے نظر نہیں آتا اندر سے باہر نظر آتا ہے، وہ میں جنگلوں میں لوگوں کے گھروں میں نئی کوٹھیوں، نئے بنے ہوئے بنگلوں میں دیکھتا ہوں کہ لگا ہوا ہے۔ یہ حضور اکرم ﷺ نے قیامت کی نشانیوں میں یہ نشانی بھی بتائی ہے کہ بھوکے ننگے جنگلوں کے باسی، ننگے بدن، ننگے پاؤں پھرنے والے، محلات بنالیں گے اور بیٹھ کر فخر کریں گے اور کہیں

گے نہیں جی ہمارا تو باپ دادا رئیس تھا۔ کوئی نہیں مانے گا کہ کل ہم مفلس بھی تھے۔ اکڑیں گے بڑے، میں فلاں خاندان کا ہوں، میں ملک صاحب ہوں، میں چوہدری ہوں، میں خان صاحب ہوں تو یہ دوسری نشانی حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمائی۔

تو حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ پھر وہ سوال پوچھنے والا شخص رخصت ہوگیا۔ تو فرماتے ہیں کہ میں کافی دیر بیٹھا رہا تو نبی کریم ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ جانتے ہو یہ کون تھا! ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ۔۔۔ وہ سوال کرنے والا تو چلا گیا میں کافی دیر بیٹھا رہا ثُمَّ قَالَ لِي يَا عُمَرُ أَتَدْرِي مَنِ السَّائِلُ ۔۔۔ تو پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اے عمرؓ! جانتے ہو یہ سوال کرنے والا کون تھا؟ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ ۔۔۔ میں نے عرض کی اللہ اور اُس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ یہ رویہ تھا صحابہ کرامؓ کا۔ بڑے بڑے شاعر، ادیب، دانشور، تاریخ کے ماہر، انساب کے ماہر اور اتنے ماہر زبان دان تھے، عرب میں لکھنا پڑھنا جاننے والے لوگ کم تھے لیکن ادبیات میں اتنے ماہر تھے کہ عرب کے علاوہ باقی دنیا کو عجم کہتے تھے۔ عجم کا معنی ہوتا ہے گونگا، بے زبان۔ تو وہ کہتے تھے کہ عرب اہلِ زبان ہیں باقی دُنیا کے پاس زبان نہیں ہے لیکن جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی یا کوئی ارشاد ہوتا تو حضورِ اکرم ﷺ پوچھتے کہ اس کا معنی جانتے ہو؟ وہ کہتے اللہ بہتر جانتا ہے یا اللہ کا رسول ﷺ جانتا ہے۔ کوئی اپنے علم سے، اپنی طاقت سے، اپنی قوت سے، کوئی کسی صرف ونحو سے، یا علم کلام سے یا کوئی اپنے ترجمے سے مقصد نہیں نکالتا تھا۔ آج مسلمانوں میں اتنے فرقے بن گئے ہیں کہ گنے نہیں جاتے۔ ایک گھر میں پانچ بندے رہتے ہیں، عجیب بات یہ ہے کہ اُن میں سے پانچ کا مذہب نہیں ملتا۔ ایک اور عقیدے پر ہے، دوسرا اور عقیدے پر ہے، تیسرا اور پر ہے، چوتھا اور پر ہے، پانچواں اور پر، اللہ کی شان، کیا ہوگیا ہے ہمیں؟ آج کا المیہ یہ ہے کہ ہر بندہ اپنی مرضی سے قرآن کا ترجمہ کرنا شروع ہوگیا ہے۔ جس آیت سے جو سمجھتا ہے وہ معنی نکال لیتا ہے۔ یہ رویہ ہماری تباہی کا سبب ہے۔ آج بھی اگر ہم وہی بات جو صحابہ کرامؓ کرتے تھے، آج بھی ہم یہ سمجھیں کہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ حق ہے کہ ترجمہ وہی ٹھیک ہے جو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، باقی سب باطل ہیں، آج بھی ہم قرآن کا وہ ترجمہ، آیات کے وہ معنی سمجھ لیں جو حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہیں تو کوئی فرقہ نہیں رہتا۔ سب پھر یکجا ہوجاتے ہیں۔ ہر فرقہ قرآن اُٹھائے پھرتا ہے۔ قرآنی آیات پڑھتا ہے ترجمہ اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ اگر وہی ترجمہ جو صحابہ کرامؓ کا طریقہ تھا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ ۔۔۔ اللہ اور اُس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ یہاں بھی حضرت عمرؓ نے یہی عرض کی اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ ۔۔۔ اللہ اور اُس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ تو فرمایا رسول اللہ ﷺ نے قَالَ فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ ۔۔۔ یہ جبرائیل امین تھے جو حاضر ہوئے تھے کہ تمہیں تمہارا دین سکھا دیں۔ یہ آنے والا یا سائل جو سوال کر رہا تھا جبرائیل امین تھے، انسانی شکل میں تشریف لائے۔ حاضر ہوئے بارگاہ نبوی ﷺ میں اور اُن کا مقصد یہ تھا من جانب اللہ اُنہیں بھیجا گیا کہ یہ سوال کر کے اُن کا جواب لے کر تمہیں تمہارا دین سکھائیں۔۔۔ اہل مجلس سیکھ لیں پھر وہ ساروں کو سکھائیں۔ گویا دین سیکھنا، ضروریاتِ دین میں سے ہے اور اُسے آگے سکھانا فرائضِ دین میں سے ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ملتا ہے کہ جب وہ چلے گئے تو حضور اکرم ﷺ نے کسی سے فرمایا صحابہؓ میں سے، اُنہیں آواز دو، پیچھے بندے کو بلاؤ۔ وہ بھاگ کر لپک کر گئے تو کوئی بھی نہیں تھا۔ یا رسول اللہ ﷺ وہاں تو کوئی بھی نہیں۔ وہ زمانہ تھا گھوڑے کا یا اُونٹ کی سواری کا تو اگر باہر نکلا چند منٹ ہوئے تو سواری کے پاس ہوتا یا زیادہ جلدی کرتا تو سواری پر بیٹھ جاتا اور جا رہا ہوتا اونٹ پر، وہاں تو کوئی نشان ہی نہیں ہے نہ کوئی بندہ نہ سواری کچھ بھی نہیں ہے۔ تو آپ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا یہ جبرائیل اُمین تھے اِس لیے آئے تھے میری بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے کہ تم لوگوں کو تمہارا دین سکھا دیں يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ ۔۔۔

ایک روایت حضرت ابوہریرہؓ سے بھی ہے۔ جو روایت اب تک ہم نے جس کا معنی کیا ہے، یہ حضرت عمر ابن خطابؓ سے ہے، خلیفہ دوم جو تھے، رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ اُن سے ہے اور ابوہریرہؓ اُن سے بھی بہت سی حدیثیں روایت ہیں اور بہت بڑی معتبر حدیثیں ہیں۔ اکثر حضور ﷺ کی خدمت میں رہے۔ اُنہوں نے عرض کی تھی یا رسول اللہ ﷺ! دعا

فرمایئے کہ مجھے حدیثیں یاد ہو جائیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ چادر بچھاؤ۔ انہوں نے چادر بچھادی، حضور ﷺ ارشاد فرماتے رہے جب مجلس برخاست ہونے کو ہوئی تو فرمایا اس چادر کو لپیٹ لو اور اسے سینے سے لگا لو۔ انہوں نے لپیٹ کر سینے سے لگایا۔ اُس کے بعد فرماتے ہیں جتنا عرصہ حضور ﷺ کی خدمت میں وصالِ نبوی تک میں رہا، جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے ازبر ہو گیا۔ مجھے آج تک کوئی حدیث نہیں بھولی تو گویا یہ بھی درست ہے کہ اہل اللہ سے برکات حاصل کی جائیں اور مختلف فوائد بیماریوں کا علاج یا یادداشت کا علاج یا اِس طرح اُن کی برکات سے اُن کی توجہ سے اُن کی چیزوں کے استعمال سے بھی ہو جاتا ہے۔ وہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ کے الفاظ یہ ہیں اِذَا رَاَيْتَ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تُو ننگے پاؤں والوں ننگے جسموں والوں کو اور بہرے اور گونگوں کو زمین کا بادشاہ دیکھے۔ حضرت عمرؓ نے جو حدیث بیان کی اُس میں ہے کہ وہ محلات میں بیٹھے ہوں گے تو وہ حکمرانوں اور عوام سب پر اُس کا اطلاق ہوتا ہے، یہ جو روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے ہے اس میں صرف حکمرانوں کی بات انہوں نے کی ہے کہ ننگے جسموں والوں، بھوکے ننگے قلاش لوگ، اَن پڑھ جاہل، بادشاہ بن جائیں گے۔ ملکوں پر حکمران ہو جائیں گے، حکومت کریں گے اور ہر جگہ یہی حال ہے۔ یہ جو ہندوستان کا وزیر اعظم ہے جس نے ایک عالم کو مصیبت میں ڈال رکھا ہے، یہ ننگے پیر، ننگے سر ایک کُرتہ پہنے ہوئے چائے بیچا کرتے تھے یعنی یہ صرف پاکستان میں نہیں، دنیا میں ہے۔ ساری دنیا میں یہ عالم ہے کہ کل تک ننگے پاؤں پھرنے والے آج کے بادشاہ بنے ہوئے ہیں اور یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور پھر ارشاد فرمایا کہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اِنَّ اللّٰهَ اَعْلَمُ۔۔۔

پھر یہ آیت کریمہ آخر تک پڑھی کہ پانچ علم ایسے ہیں جنہیں اللہ کریم کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہو گی؟ بارش کہاں اور کتنی برسے گی؟ اسی طرح کون کس جگہ مرے گا۔ کل کیا ہو گا۔ پیدا ہونے والا بچہ کس ماں کے پیٹ میں کون ہے۔ اُس کی قسمت کیا ہے؟ نصیبہ کتنا ہے؟ عمر کتنی ہے؟ شکل کیسی ہے؟ عقل کتنی ہے؟ شعور کتنا ہو گا؟ خوش نصیب ہو گا، بدنصیب ہو گا، دنیا میں نامور ہو گا کمزور ہو گا، کوئی نہیں جانتا؟ کسی کے علم میں نہیں ہے۔ یہ پانچ انہیں مغیباتِ خمسہ کہتے ہیں۔ یہ پانچ غائب باتیں ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ الفاظ ہیں حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث میں۔ مقصد دونوں کا، مفہوم دونوں کا ایک ہے۔ الفاظ میں تھوڑا فرق ہے لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا۔ حضرت عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ میں وہاں موجود تھا میرے سامنے حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا۔ تو اس بات کو جب دوہرایا جائے تو مفہوم ایک ہی ہوتا ہے، الفاظ کچھ بدل سکتے ہیں۔ مفہوم تو وہی ارشاد ہے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں لیکن الفاظ تھوڑے سے بدل گئے ہیں اور یہ ہو جاتا ہے کہ آپ کے سامنے ایک واقعہ ہوا، آپ اُسے ایک جگہ بیان کرتے ہیں تو واقعہ وہی ہو گا الفاظ بدل جائیں گے۔ اُسی واقعہ کو کسی دوسری جگہ بیان کریں تو واقعہ وہی ہو گا آپ بیان وہی کریں گے سچ ہو گا لیکن ہو سکتا ہے کچھ الفاظ تبدیل ہو جائیں۔ تو حضرت ابو ہریرہؓ نے حدیث سنی حضور اکرم ﷺ سے، حضرت عمرؓ کے سامنے یہ واقعہ ہوا آپؓ نے دیکھا براہ راست سنا۔ تو یہ چیزیں قابلِ توجہ بھی ہیں اور قابلِ غور بھی ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ موت بھی چھوٹی قیامت ہے جو مرتا ہے اُس کی قیامت تو قائم ہو جاتی ہے یعنی اُس کے لیے تو ایک چھوٹی قیامت تو آ ہی گئی اور موت پر سوال وجواب بھی ہو جاتے ہیں، اندازہ کر لیا جاتا ہے اُس جگہ کا۔ برزخ جو ہے یہ مہمان خانہ ہے، انتظار گاہ ہے جسے آپ Waiting Room کہتے ہیں، قیامت تک لوگ اُس میں بیٹھے ہیں لیکن ہر انتظار گاہ میں اُس درجے کا سلوک ہوتا ہے جس درجے کا مہمان ہو۔ مجرم ہو، چور ہو تو حوالات میں رکھا جاتا ہے۔ عام آدمی ہو تو دال روٹی پہ رکھا جاتا ہے، کوئی خاص آدمی ہو تو اچھے بستر صوفے، اچھا کھانا دیا جاتا ہے۔ تو برزخ میں بھی جس کردار کا بندہ ہو اُس طرح کا انتظام، اُس کی قبر میں کر دیا جاتا ہے۔ جیسے حضور اکرم ﷺ کا رشاد ہے القبر روضہ کہ قبر بھی یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔ تو برزخ میں بھی وہ شروع ہو جاتا ہے پھر سارے انتظار میں۔ جب قیامت آئے گی تو سب میدانِ حشر

میں جمع ہو جائیں گے۔ اللہ کریم وہاں آخری فیصلہ کریں گے، اُس کے بعد حقیقی جنت اور دوزخ کا داخلہ ہوگا۔ خوش نصیب جنت میں داخل ہو جائیں گے ہمیشہ رہیں گے اور ہمیشہ اللہ کی رحمت اُن پر برستی رہے گی اور کوئی تکلیف کوئی بیماری، کوئی پریشانی، کوئی وسوسہ، کوئی خوف، کوئی کسی طرح کی کوئی چیز نہ ہوگی اور بدنصیب دوزخ میں چلے جائیں گے، وہاں ہر مصیبت ہوگی۔ رہیں گے وہ بھی ہمیشہ۔ موت نہیں آئے گی، جینے کا بھی کوئی تصور نہیں ہوگا۔ کھانے کو آگ، پہننے کو آگ اوڑھنے بچھونے کو آگ۔ تکلیفیں پریشانیاں، ہر طرح کی، بیشمار، قسم کے عذاب ہیں، اللہ معاف کرے اور اللہ کریم اُن مصیبتوں سے بچائے۔ لیکن یہ اب حضور اکرم ﷺ نے ذرہ ذرہ بیان فرما دیا۔ قرآن نے ایک ایک قصہ بیان فرما دیا، جنت دوزخ کی پوری منظر کشی بھی کر دی اُس کے ساتھ کردار کا تعلق بنا دیا کہ کون سے عقیدے کا نتیجہ کیا ہوگا اور کون سے عمل کا نتیجہ کیا ہوگا! پھر اب انسان پر ہے کہ وہ اپنے لیے کیا منتخب کرتا ہے۔ وہ جنت چننا چاہتا ہے یا دوزخ۔ اگر جنت چاہتا ہے تو اُسے قدم قدم پر رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنا ہوگی اور اگر دوزخ چاہتا ہے تو پھر اپنی خواہش پر چلے، اپنی مرضی پہ چلے، جو چاہتا ہے موج کرے، چوری کرے، ڈاکہ کرے، رشوت کھائے، لوٹ مار مچائے، بدکاری کرے، عیاشی کرے۔ جو کچھ کرنا ہے وہ اپنے آپ کے ساتھ کر رہا ہے اُس کے نتائج اُس کو خود بھگتنے ہوں گے۔ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ رہا اور یہ یقینی ہے، قیامت پر یقین جو ہے یہ ایمان کی بنیادی دلیلوں میں سے ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں۔

جس طرح قرآن کریم کے متعلق ارشاد ہے ناں ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۔۔۔ یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں ادنیٰ درجہ شک کا بھی نہیں ہے۔ کوئی گمان تک نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا کوئی ارشاد غلط ہو، پورا سچ ہے۔ اِسی طرح قیامت کا واقع ہونا پورا سچ ہے۔ اُس میں کبھی یہ نہ سوچو، ہمارے یہاں تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ جی کس کو خبر کس نے دیکھا ہے! او بھئی اللہ کریم ارشاد فرما رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ اور رسول اللہ ﷺ نے دیکھا بھی ہے جنت کو ملاحظہ بھی فرمایا ہے، جہنم کا بھی فرمایا ہے۔ اپنے وجودِ اقدس کے ساتھ اِن ظاہری آنکھوں کے ساتھ بھی دیکھا ہے، کشفاً بھی دیکھا ہے، وجودِ ظاہر کے ساتھ بھی، حضور ﷺ معراج پر جسمِ اطہر کے ساتھ تشریف لے گئے۔ دیکھ کر بھی بتا رہے ہیں اور اللہ سے جان کر بھی بتا رہے ہیں۔ پھر اِس سے بڑا کون ہوگا جو دیکھ کر آپ کو بتائے۔ کون اس سے زیادہ سچا، کھرا یا کون اس سے زیادہ گواہی دے سکے گا؟ میاں، قیامت پر یقین بھی ضروریاتِ ایمان میں سے ہے لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۔۔۔ ہماری گمراہی کا سبب یہی ہے کہ آخرت کا یقین کمزور ہے۔ حضرت رحمۃ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کو آخرت پر یقین نہیں رہا، اس لیے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، یقین ہوتا تو نہ کرتے۔ مدت ہو گئی ہمیں پون صدی گزر گئی، اللہ سے ہم نے ایک وعدے پر دعائیں بھی کیں، لاکھوں جانیں بھی دیں۔ بڑی قیمت چکائی اس خطۂ زمین کی مسلمانوں نے، بڑی قیمت چکائی۔ بعد میں آنے والوں کو شاید اندازہ ہو یا نہ ہو لیکن اُس عہد کے لوگوں کو، ہمیں تو خوب اندازہ ہے کہ لاکھوں، اتنے لوگ مارے گئے کہ انسانی لاشے پڑے ہوتے تھے اور گدھ درختوں پر بیٹھے ہوتے تھے نہیں لپکتے تھے۔ اُن کے پیٹ بھرے ہوتے تھے۔ کتے انسانی وجود مسلمانوں کی لاشیں نوچ نوچ کر تھک گئے تھے اور چھوڑ دی تھیں کھانی۔ جو لاشیں بے گور و کفن پڑی ہوتی تھیں وہ اتنی تھیں۔ لاکھوں بیٹیاں مسلمانوں کی ہندوؤں سکھوں نے چھین لیں، اغوا کر لیں اور وہ وہاں ہندوستان میں رہ گئیں۔ عزتیں لٹیں، گھر لٹے، جائیدادیں چھوڑیں، ہجرتیں کیں، جانیں دیں، ایسی ٹرینیں لاہور پہنچیں جن میں ایک ڈرائیور ہوتا تھا باقی ساری ٹرین لاشوں سے بھری ہوتی تھی۔ ذرا سوچیں تصور کریں، ایک ریل گاڑی کا کہ جس کی چھت پہ بھی بندے تھے، فرش پر بھی بندے تھے، جس کی سیٹیں بھی بھری ہوئی تھیں۔ جب لاہور پہنچی تو چھت پر بھی لاشیں تھیں اور ڈبے بھی کٹے پھٹے جسموں سے بھرے ہوئے تھے اور ساری ٹریک پر خون بہاتی لاہور آ پہنچی۔ یہ ساری قیمت تھی جو اس خطۂ زمین کی چکائی گئی اور وعدہ کیا اللہ سے پاکستان کا مطلب کیا ہے لا الٰہ الا اللہ! اللہ نے وہ قربانیاں قبول فرمائیں۔ وہ کوشش قبول فرمائی، وعدے پر اعتبار کیا اور یہ خطۂ زمین مسلمانوں کو دے دیا۔ بہتر سال ہو گئے ہیں، سارے کام ہو گئے لیکن اسلام کی طرف نہیں آتے جمہوریت، جمہوریت! پتا نہیں جمہوریت کیا ہے؟ ایک دھوکا، ایک فراڈ، ایک جھوٹ، اُسے جمہوریت کہتے ہیں۔ یہ جسے جمہوریت، جمہوریت

آپ کہتے ہیں کہ اسلام کے آنے سے قبل دنیا کی تاریخ میں کہاں تھی؟ اسلام نے بندوں کو بولنے کی اجازت دی۔ اسلام نے بندوں سے رائے لینا حکمران پر ضروری ٹھہرایا، فیصلہ حکمران کا ہوگا لیکن رائے عوام کی بھی ہوگی۔ خواص کی بھی ہوگی۔ یہ سارے حقوق اسلام نے دیئے۔ اس میں مغرب نے بدمعاشی کر کے اس میں جھوٹ ملا کر اسے تماشا بنا دیا۔ یہ کیا جمہوریت ہے، یہ کونسی اکثریت کی رائے ہے کہ ایک حلقے میں پانچ بندے کھڑے ہو جاتے ہیں الیکشن لڑنے کے لیے، ایک جیت جاتا ہے۔ اُس ایک کے ووٹ زیادہ ہیں یا جو چار ہار گئے اُن کے ووٹ زیادہ ہیں؟ تو پھر تو اکثریت تو ہارنے والی ہے جو چار ہارے ہیں اُن کے ووٹ جمع کریں تو اکثریت کس طرف ہے؟ آپ کیسے کہتے ہیں یہ اکثریت کی حکومت ہے، یہ تو اقلیت کی حکومت ہے۔ کیوں جھوٹ بولتے ہیں آپ! دھوکا ہے سراسر! پھر یہ کونسا انصاف ہے کہ سپریم کورٹ کے جسٹس کا بھی ایک ووٹ اور بکریاں چرانے والے چرواہے کا بھی ایک ووٹ؟ اُس کی رائے بھی برابر اس کی رائے بھی۔ اسلام جمہوریت میں یہ نہیں کرتا۔ اسلامی جمہوریت یہ ہے کہ خواص سے رائے لی جائے۔ جس رائے پر خواص متفق ہو جائیں اُسے عوام کے سامنے پیش کیا جائے اگر عوام بھی متفق ہو جائیں تو فیصلہ کیا جائے اور یہ جمہوریت ہے۔ یہ جمہوریت نہیں ہے کہ گدھوں کی طرح بندوں کو گن کر ٹوٹل پورا کر لیا جائے۔ یہ کون سی جمہوریت اور گننے میں بھی فراڈ ہے۔ اکثریت ہارنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے، جیتنے والے تو ہمیشہ اقلیت میں ہوتے ہیں۔ پھر کتنا بڑا ظلم ہے کہ اس کے لیے سارے کوششیں کرتے ہیں۔ اسلام اسلام، پچھلے ہمارے اجتماع پہ ایک باباجی فرمارہے تھے دعا کرو۔ دعاؤں سے تو اسلام نہیں آئے گا، دعا کا بھی ایک انداز ہے۔ ایک بیمار ہے اُس کے لیے شرعی طریقہ یہ ہے کہ علاج کرے اپنی دوائی کھائے اور دعا کرے اللہ مجھے صحت دے۔ دوائی نہیں کھاتا پرہیز نہیں کرتا، دعا کرتا ہے وہ دعا رد ہو جائے گی۔ اللہ کریم اُس کی پرواہ نہیں کریں گے چونکہ اُس نے اللہ کے طریقے پر عمل نہیں کیا۔ اللہ کو کیا ضرورت ہے؟ کیا اہمیت ہے اُس کی دعا کی؟ ایک بھوکا ہے کام نہیں کرتا آٹا نہیں لاتا۔ چولہا جلا کر روٹی نہیں پکاتا۔ آٹا بھی لے آیا، چولہا بھی جلالیا اب بیٹھا دعا کر رہا ہے یا اللہ! مجھے روٹی پکا دے تو روٹی تو نہیں پکے گی۔ روٹی پکائے گا، بسم اللہ کر کے کھائے گا پھر دعا کرے گا یا اللہ! مجھے اس سے صحت بھی دے، میری ایمان کی سلامتی کا سبب بنا، توفیق عمل عطا کر میں یہ نیکی کروں، تو دعا بھی قبول ہوگی۔ دعا کا بھی قاعدہ ہے، کہتے ہیں دعا کرو اسلام نافذ ہو۔ اسلام کے نفاذ کا طریقہ محمد رسول اللہ ﷺ کا کیا ہے؟ سنت طریقہ کیا ہے؟ کیا آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں کوئی سیاسی جماعت بنائی؟ اقتدار میں شرکت کی؟ یہاں ہماری دینی سیاسی جماعتیں بھی اقتدار کی جنگ لڑ رہی ہیں تو ان پچھتر سالوں میں انہوں نے کیا حاصل کر لیا؟ ایک دو سیٹیں جیت لیتے ہیں اُس پہ سال گزار لیتے ہیں، اگلے الیکشن میں دو چار پھر جیت لیتے ہیں، کیا حاصل ہوا اُس کا؟ کیا تبدیلی آئی ملک میں؟ کیا سارا غیر شرعی غیر مسنون طریقہ ہے۔ سنت طریقہ یہ ہے کہ اہلِ مکہ نے تو منتیں کیں، مشرکوں نے تو منتیں کیں وفد بھیجے نبی کریم ﷺ کے پاس کہ آپ ﷺ ہمارے ساتھ نظام میں بھی تبدیلی کر لیں جو آپ ﷺ چاہتے ہیں لیکن ایک بات کریں ہمارے بتوں کو غلط نہ کہیں۔ انہیں جھوٹا نہ کہیں، سچا بھی نہ کہیں، جھوٹا بھی نہ کہیں۔ آپ اس اللہ کی عبادت کرتے رہیں ہم اپنے بت پوجتے رہیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، میں باطل کو باطل کیوں نہ کہوں؟ اللہ جب ان کے بارے قرآنِ نازل کرتا ہے تو میں لوگوں کو کیوں نہ بتاؤں؟ اگر باطل کو باطل نہ کہا جائے تو اس کا مطلب ہے آپ نے حق کو قبول ہی نہیں کیا۔ حق کی تو ایک شرط یہ ہے کہ حق کو حق ماننے کے لیے باطل کو باطل قرار دیا جائے۔ تو نبی کریم ﷺ نے تو کسی جماعت میں شرکت نہیں کی، کسی سیاسی جماعت کو تعاون کی یقین دہانی نہیں کرائی۔ فرمایا میں تو وہ کہوں گا جو اللہ کا حکم ہے جو اللہ نازل فرماتا ہے۔ ہاں! جو کلمہ پڑھتا تھا اُس پر سرتاپا اسلام نافذ ہو جاتا تھا۔ بت پرست تھے، مشرک تھے، لباس مشرکانہ تھے، رواج مشرکانہ تھے، صورتیں مشرکانہ تھیں، تعلقات مشرکانہ تھے۔ جب کلمہ پڑھتے تھے تو لباس سے لے کر خیالات تک، ظاہر سے لے کر نہاں خانۂ دل تک اسلام میں ڈھل جاتا تھا۔ جب اُن کی اکثریت ہوئی، مدینہ منورہ آئے تو از خود ریاست اسلامی بن گئی۔ ہمیں اگر اسلام نافذ کرنا ہے اور ہم اس میں مخلص ہیں تو جو یہ کہتے ہیں دعا کرو، یہ اپنے آپ پر اپنے گھر پر اسلام نافذ کر چکے ہیں؟ ان کے

معاملات اسلامی ہیں؟ یہ حلال کما رہے ہیں؟ یہ زکوٰۃ دے رہے ہیں؟ حج فرض ہے تو کر رہے ہیں؟ نماز پنجگانہ باقاعدگی سے سارے ادا کرتے ہیں؟ کھانا حلال کھا رہے ہیں؟ رواج ہندوؤں کے ہیں یا اسلام کے؟ ہمارے تو شادی بیاہ میں بھی ہندوؤں کے رواج ہیں، سہرا باندھنا نہ ہو، گانا باندھو، ڈھول بجاؤ۔ یہ کروہ کرو سب ہندوؤں سے آیا ہے، کوئی باہر کی دنیا میں یہ سہرے گانے نہیں باندھے جاتے۔ برصغیر میں ہم نے یہ ہندوؤں سے لے لیے ہیں۔ مرنے میں جنازے میں بھی غیر اسلامی اور غیر مسنون طریقہ اختیار کرتے ہیں، ہم دعوتیں پکاتے ہیں۔ بابا کئی سال چار پائی پر تڑپتا رہتا ہے۔ اُسے دو وقت کا کھانا کوئی نہیں دیتا۔ دوائی لا کر کوئی نہیں دیتا کہتے ہیں "مر مگروں لو" "یار اک تے بابا لے دے گیا"۔ "باروں تھکے آندھے آں اس دی ہا ہا لے گئی۔" یہ ایسا ہی ہوتا ہے ناں؟ جب بابا مرجاتا ہے تو سارے گاؤں کی دعوت کرنے کی اور باہر والوں کو دعوت کرنے کی پھر کیا ضرورت ہے؟ جو مرگیا وہ غریب تو بھوکا مرگیا، دوائی کو ترستا مرگیا پھر دعوت کی کیا ضرورت ہے؟ تو ہم تو میت میں بھی رسمیں اور رسومات پوری کرتے ہیں۔ سنت کے مطابق اُس سے بھی سلوک نہیں کرتے۔ تو دعا کرو اسلام، دعا سے اسلام نافذ ہوگا بھائی؟ ارے بھائی! اپنے آپ پر، اپنے خاندان پر اپنے گھر پر تو اسلام نافذ کرو۔ تم تو سود کھانا چھوڑ دو۔ سود کھا کر آتے ہیں مسجد میں، کہتے ہیں دعا کریں اسلام نافذ ہو جائے۔ تو اسلام نافذ کرنا ہے میرے بھائی تو اپنے آپ پر کرو۔ ایک ایک بندہ اسلام کے سانچے میں ڈھل جاؤ۔ جب تم اکثریت ہو گئے تو حکومت بھی تمہاری ہو جائے گی۔ اگر یہ بیس پچیس کروڑ مسلمان جو پاکستان میں کم از کم پچیس کروڑ آبادی ہے جس میں بیس کروڑ تو مسلمان ہوں گے پانچ کروڑ اگر اقلیتیں ہوئیں تو غیر مسلم اگر پانچ کروڑ بھی ہو تو بیس کروڑ اپنے آپ پر اسلام نافذ کرلیں تو پھر حکمران انہی بیس کروڑ میں سے نہیں آئیں گے؟ اسمبلیاں اُنہی میں سے نہیں بنیں گی؟ اسلام نافذ ہوگا کہ نہیں ہوگا؟ خود پر تو کوئی اسلام نافذ کرتا نہیں، دعا کرو ملک پر، ملک پر کیسے ہو جائے بھئی؟ جب آپ کا عمل اسلام کے مطابق نہیں ہے تو آپ کا ملک اسلام کے مطابق کیسے ڈھل جائے؟ افراد سے قومیں بنتی ہیں، افراد ہی سے قومیں بنتی ہیں، تو جب فرد درست نہیں ہے تو قوم کیسے درست ہوگی۔

ہماری تو قوم بنی ہوئی ہے آدھا تیتر آدھا بٹیر، کسی کا کوئی رنگ ہے کسی کا کوئی۔ کوئی ہندوؤں کی رسمیں اپنا رہا ہے، کوئی انگریز کی، جس کو دو وقت چار لقمے کھانے کو مل جاتے ہیں، وہ انگریز بننے کی کوشش کرتا ہے۔ جس کو کھانا مل جاتا ہے وہ فوراً گورا صاحب بننے کی کوشش کرتا ہے۔ جو غریب ہے وہ ہندوؤں کی رسمیں اپنا لیتا ہے۔ نہ غریب اسلام کو چاہتا ہے نہ امیر اسلام کو چاہتا ہے تو اسلام نافذ کیسے ہوگا؟ یہ تو اللہ کا کرم ہے، الحمدللہ! کچھ لوگ ایسے ہیں جو دین پڑھا رہے ہیں، کچھ لوگ ایسے ہیں جو دین کی تبلیغ کر رہے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو کم از کم ذاتی طور پر دین پر عمل کر رہے ہیں۔

الحمدللہ! الحمدللہ! کہ ہمیں اس ملک میں اذانیں دینے کی آزادی ہے، نماز پڑھنے کی آزادی ہے، روزہ رکھنے کی آزادی ہے، ہمیں اسلام پر عمل کرنے کی آزادی ہے، کوئی روکتا نہیں ہے یار، یہ بھی اللہ کا احسان ہے، اللہ کریم کا شکر ہے۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ ایک عام آدم بھی بڑی سے بڑی حکومت پہ تنقید کر لیتا ہے، اپنی بات کہہ لیتا ہے۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہے۔ دوسرے ملکوں میں آپ اس آزادی سے اپنی مرضی کی بات نہیں کر سکتے۔ یہاں اللہ کا شکر ہے۔ اس کے باوجود اسلام مسلط نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام جذبۂ ایمان کا نام ہے۔ جذبۂ ایمان دل کا فعل ہے۔ اب دل تو اللہ کے قبضے میں ہے یا بندہ آپ اُس میں تبدیلی کر سکتا ہے۔ کسی حکومت، کسی حکمران، کسی جبر، کسی تلوار سے زبانی اقرار کرایا جا سکتا ہے، دل نہیں بدلتے۔ ایک بندے پر آپ تلوار رکھ دیں، کہیں، ایسا کہو، وہ زبانی کہہ دے گا، دل تو نہیں مانے گا اُس کا۔ دل تب مانے گا جب وہ خود دل کو منوانا چاہے گا۔ تو میرے بھائیو! اپنے دلوں کو زندہ کرو اللہ کی یاد سے، روشن کرو اللہ کے نام سے کہ دل اسلام کو پسند کرے تو پھر آپ کا ظاہر بھی بدل جائے گا۔ جب دل چاہے گا تو پھر آپ لباس بھی سنت کے مطابق کر لیں گے۔ جب دل چاہے گا تو آپ کا کاروبار بھی حلال اور جائز ہو جائے گا، حرام پسند نہیں کرے گا۔ جب دل چاہے گا تو سود سے دور ہو جائیں گے، چھوٹ جائے گا۔ جب دل چاہے گا تو رشوت سے، بے ایمانی سے، بدمعاشی سے دور ہو جائیں گے۔ جب دل چاہے گا تو اسلام آپ پر نافذ ہو جائے گا اور افراد پر نافذ ہوگا تو پھر ملک پر بھی نافذ ہو جائے گا۔

شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اور اُن کے جواب

الشیخ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

سوال: علمائے دیوبند کے کچھ اکابرین کے نام بیان فرمائیں جن حضرات نے صوفیاء کی بیعت کی اور تزکیہ کو عام کیا جس سے دعوت کے کام میں آسانی ہو؟

جواب: میرے بھائی کوئی ایک ہوتو بیان کروں۔ دورِ حاضر کے علماء کی تو مجھے خبر نہیں ہے۔ متقدمین میں جتنے حضرات گزرے ہیں ان کی تصنیفات سے لائبریریاں بھری پڑی ہیں اس موضوع پر۔ آپ وہ کتابیں لیں اور دیکھیں اس موضوع پر علمائے دیوبند کی بیشمار تصنیفات ہیں جنہوں نے یہ کام کیا اور متقدمین تو سارے ہی کرتے تھے۔ مولانا نانوتویؒ سے لے کر مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مہاجر مکیؒ، حضرت مہاجر مدنیؒ سب کا یہی کام تھا تو آپ اُن کی کتب دیکھیں؟ اور اس میں طریقہ ذکر، مراقبات کے طریقے مختلف ساری بحثیں موجود ہیں۔ لطائف اوران کے نام ساری چیزیں ملتی ہیں۔

سوال: قبض اور بسط دو حالتیں ہیں، قبض ہونے کی وجوہات کیا ہیں، اس کا علاج کیا ہے، اس کی علامات کیا ہیں؟

جواب: میرے بھائی قبض سے مراد ہوتا ہے کسی جگہ پر مراقبات کا رک جانا اور بسط سے مراد ہوتا ہے راستے کا کھل جانا۔ سلوک کا سفر روح طے کرتی رہے اور یہ دونوں حالتیں من جانب اللہ ہوتی ہیں، بندے کے ذمہ شریعت کی حدود کے اندر مجاہدہ کرنا، رزقِ حلال، صدقِ مقال، جھوٹ سے بچنا، سچ بولنا، حلال کھانا ہے۔ قرآن کریم نے اس کا بڑا سادہ سا حل بتایا ہے: كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (سورۃ المومنون: 51) حلال کے ساتھ بھی ایک شرط لگادی کہ وہ پاک بھی ہو۔ ایک بندہ حلال رزق کما کر لایا۔ اس میں کوئی پلیدی مل جائے تو وہ بھی ناپاک ہوگیا، کھانے کے قابل نہ رہا تو كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ --- طیب ہوگا تو حلال تو از خود ہوگا حلال کے بعد اُسے پاکیزہ بھی رکھنا ہے وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ---۔ اعمال نیک کرو۔ اچھے اعمال کرو اب اس میں پوری زندگی کی جدوجہد آجاتی ہے۔ زندگی بھر جو محنت، جو مشقت ہم کرتے ہیں وہ حصولِ رزق کے لیے ہے اور زندگی بھر جو اعمال کرتے ہیں وہ صالح ہونے چاہئیں۔ مادی امور کے لیے مشقت، ملازمت، تجارت، کاروبار، مزدوری جو کچھ ہم کرتے ہیں وہ حصولِ رزق کے لیے ہے تو رزق حلال ہونا چاہیے اور رزق حلال تب ہی ہوگا جب حلال وسائل سے جائز طریقے سے حاصل کیا جائے گا۔ آگے دو لفظ بڑھا دیئے وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ---۔ اعمال نیک کرو۔ صالح صرف وہ عمل ہے جو نبی کریم ﷺ کی اتباع میں ہے۔ صالح کی شرط یہ ہے کہ حضور ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔ جو حضور ﷺ کی سنت کے خلاف ہوگا وہ غیر صالح ہوگا کیونکہ صالح یا غیر صالح کی تمیز ہر شخص کی رائے پر نہیں ہے، نبی ﷺ کی سنت کے مطابق ہے۔ سلوک کی اصطلاح میں قبض کوئی ضروری نہیں کہ گناہ سے ہو۔ گناہ سے تو سزا ملتی ہے، راہ سلوک میں قبض اللہ کی طرف سے ہے۔ بعض اوقات بندہ کسی مراقبے میں ایک مقام پر پہنچتا ہے روح میں آگے کی استعداد نہیں ہوتی تو وہ آگے سفر نہیں کرتی اُسے قبض کہتے ہیں۔ ترقی رک جاتی ہے لیکن وہ عارضی ہوتی ہے، وقتی ہوتی ہے جب اللہ کریم چاہتے ہیں دس دن بعد، مہینے بعد، دو مہینے بعد، سال بعد اس میں جب استعداد پیدا ہو جاتی ہے تو اللہ کریم اُسے آگے چلا دیتے ہیں۔ اس کا علاج تو تب ہو کہ یہ ہماری وجہ سے ہو۔ یہ قبض اور بسط دونوں حالتیں اللہ کی طرف ہوتی ہیں اور اس میں کوئی پریشانی کی بات نہیں ہوتی۔ قبض بھی بندے کے حق میں بہتر ہے اور بسط بھی، اس بات سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ہاں اپنا محاسبہ ہر وقت

کرتے رہنا چاہیے۔ اللہ کریم سے ہر وقت معافی کا طلبگار رہنا چاہیے۔ بعض اوقات ہم کام درست کرتے ہیں، ارادے میں نقص ہوتا ہے اور بعض اوقات خلوص میں کمی آجاتی ہے۔ انسان ہے خطائیں ہوجاتی ہیں تو ہمہ وقت استغفار اور درود شریف اور اللہ سے مغفرت جاری رہنی چاہیے۔ باقی یہ حالات اللہ کی طرف سے آتے ہیں اور وہ بہتر جانتا ہے۔ میرے اپنے مراقبات میرا خیال ہے گذشتہ مہینے مجھے تاریخ تو یاد نہیں تب سے رکے ہیں اب تک رکے ہوئے ہیں، اللہ کی مرضی، کوئی وجہ ہوگی۔ جب اللہ چاہے گا تو چل پڑیں گے۔

سوال: خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کس طرح ہوسکتی ہے؟

جواب: اس طرح ہوسکتی ہے کہ جب اللہ چاہے کرادے۔ نبی کریم ﷺ کی زیارت جب اللہ چاہے کرادے اور جب وہ چاہتا ہے تو بیداری میں بھی ہوجاتی ہے، لہٰذا اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ سے دعا کرو اور کوئی طریقہ نہیں۔ بزرگوں نے وظائف لکھے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اُن کی خاص حیثیت نہیں ہے۔ جب اللہ کریم نے ایک راستہ کھولا ہے کہ بیداری میں ہوسکتی ہے تو پھر خواب کی کیا ضرورت، کیوں نہ کوشش کی جائے کہ بیداری میں ہو۔

سوال: یہ جو کہا جاتا ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ ہر لحاظ سے انبیاءؑ سے افضل ہیں تو پھر حضرت یوسفؑ کو سب سے زیادہ حسین اور حضرت داؤدؑ کو سب سے زیادہ خوش الحان کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب: یہ آپ نے سب سے زیادہ میں نبی ﷺ کو کیوں داخل کردیا، کیا سب میں اور کوئی نہیں؟ انبیاءؑ کا آپس میں تقابل شرعاً حرام ہے۔ میں نے بعض علماء کی تقریروں میں یہ سنا ہے۔ اگلے دن بھی میں سن رہا تھا۔ شب برات منا رہے تھے، اس پر بھی ایک مولوی صاحب تقریر فرما رہے تھے کہ موسیٰؑ نے کہا کہ اللہ مجھے جلوہ دکھا تو ارشاد: وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى (سورۃ الاعراف:143) لیکن حضور ﷺ کو عرش پر بلا کر بٹھا دیا تو یہ جو تقابل ہے انبیاءؑ میں یہ حرام ہے۔ انبیاءؑ کا آپس میں تقابل کرنا یہ شرعاً حرام ہے۔ قرآنِ کریم نے جو انداز اپنایا ہے: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ م (سورۃ البقرہ:252) یہ ضرور ہے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے لیکن قرآن نے یہ نہیں کہا کہ کچھ، کچھ سے کم ہیں۔ سب اچھے ہیں، سب کامل ہیں، کسی میں کوئی کمی نہیں، سب افضل ہیں۔ بعض اُن کاملوں میں اور بھی کامل ہیں۔ اب اس میں یہ بھی کہا جاسکتا تھا کہ بات تو وہی ہے کہ ایک کا مرتبہ زیادہ ہے دوسرے کا کم ہے لیکن قرآن نے یہ انداز نہیں اپنایا۔ قرآن نے یہ انداز اپنایا ہے کہ سب اچھے ہیں، سب اللہ کے مقرب ہیں، کچھ اُن میں ان سے زیادہ مقرب ہیں۔ بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ فضیلت کی بات کی گئی ہے، کمی کی نہیں کی گئی۔ اسی لیے علمائے حق فرماتے ہیں، اسی سے مسئلہ سلوک کا اخذ کیا گیا ہے کہ اولیاء اللہ میں بھی تقابل جائز نہیں ہے آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ بعض اچھے اور بعض ان میں اور بھی اچھے ہیں۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

پھول سارے پھول ہوتے ہیں، ہر پھول کا رنگ اپنا ہے، سب کی خوشبو اپنی ہے۔ پھول تو سارے پھول ہیں۔ اولیاء اللہ سارے اولیاء ہوتے ہیں اور نبیؑ سارے نبیؑ ہوتے ہیں اور ان میں تقابل جائز نہیں اور یہ کہا جاتا ہے یوسفؑ سب سے زیادہ حسین تھے تو اس سب میں آپ اکیلے نبی ﷺ کو لے آئے۔ سب میں تو بڑی دنیا بھری پڑی ہے۔ نبی کریم ﷺ سے تو کسی طور مقابلہ جائز نہیں۔ آپ ﷺ کا اپنا مقام ہے اور یہی اس کا بھی جواب ہے کہ داؤد علیہ السلام خوش الحان ہیں۔ وہ سب سے زیادہ خوش الحان ہیں لیکن آپ اس سب میں نبی ﷺ کو کیوں داخل کرلیتے ہیں؟ سب کے لیے میں تو حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت تک کی مخلوق ہے لہٰذا انبیاءؑ کا تقابل آپس میں نہیں کیا جائے گا۔ جہاں حضور ﷺ کی ذات والا صفات ہیں یہ طے شدہ امر ہے کہ ساری مخلوق میں اللہ نے جو پیدا کی، سب مخلوق میں افضل ترین، خوبصورت ترین، خوش الحان ترین، ہر خوبی میں سب سے زیادہ سب سے آگے محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، لہٰذا آپ ﷺ کے ساتھ تقابل جائز نہیں ہے اور انبیاءؑ کا آپس میں بھی تقابل جائز نہیں ہے۔ اب یہ کہا جائے کہ سب سے زیادہ خوبصورت ہیں تو آپ کسی نبیؑ کو معاذ اللہ! بدصورت کہیں گے تو ایمان جاتا رہے گا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ داؤدؑ خوش الحان ہیں سب سے زیادہ لیکن اس میں کسی نبیؑ کو کہیں کہ آواز اچھی نہیں تھی ان کی زیادہ اچھی ہے تو "اچھی نہیں تھی" کہنا آپ کو ایمان سے باہر لے جائے گا۔ انبیاءؑ میں تقابل جائز نہیں ہے۔ سب اچھے ہیں، سب

خوبصورت ہیں سب اللہ کے مقرب ہیں، بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ بعض اور بھی اچھے ہیں، تو ان باتوں میں احتیاط کی جانی چاہیے، اور ان باتوں کو سمجھنا چاہیے اور جب یہ کہا جائے کہ سب سے اچھے ہیں تو بڑی کائنات پڑی ہے اللہ کی، انبیاءؑ کے علاوہ بڑی مخلوق ہے۔ انبیاءؑ میں تقابل نہ کریں، باقی مخلوق میں کریں۔

سوال: بخل اور کفایت شعاری کی الگ الگ وضاحت کریں؟

جواب: الگ الگ کیوں کروں، بھئی! میں کوئی فارغ بیٹھا ہوں۔ سادہ سی بات ہے کہ بخل یہ ہے کہ جہاں ضرورت ہے وہاں آپ خرچ نہ کریں یہ بخل ہے کنجوسی ہے۔ ایک جائز ضرورت ہے، آپ کے پاس وسائل ہیں آپ اس ضرورت کو رگیدتے رہیں اور پیسے بچاتے رہیں اور خرچ نہ کریں، تو یہ بخل ہے۔ جہاں ضرورت نہیں وہاں خرچ کریں تو وہ اسراف ہے۔ ضرورت کے مطابق خرچ کریں اور غیر ضروری طور پر خرچ نہ کریں تو یہ کفایت شعاری ہے، یہ سادہ سی بات ہے۔ ضرورت ہے، پیسے پاس ہیں آپ خرچ نہیں کرتے، بیمار ہیں آپ دوائی نہیں لیتے کہ پیسے خرچ ہوں گے اور کچھ زندگی کی ضرورتیں ہیں آپ ضرورت پوری نہیں کرتے۔ آپ پیسے بچاتے ہیں یہ بخل ہے۔ زکوٰۃ نہیں دیتے، اللہ کی راہ پر بھی خرچ نہیں کرتے، اپنے لیے بھی خرچ نہیں کرتے یہ بخل ہے یعنی ضرورت پر خرچ نہ کرنا بخل ہے اور غیر ضروری طور پر خرچ کرنا اسراف ہے۔ ضرورت کے مطابق خرچ کرنا کفایت شعاری ہے۔

سوال: ولایت عامہ اور ولایت خاصہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: بہت اچھا سوال ہے، ایسی باتیں کیا کریں۔ ولایتِ عامہ وہ ہے جو ہر بندۂ مومن کو حاصل ہے اور اس پر قرآن کی شہادت موجود ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ (سورۃ البقرہ: 257) ہر بندۂ مومن کا اللہ ولی ہے۔ ہم کہتے ہیں یہ ولی اللہ ہے اور یہ ہماری رائے ہوتی ہے۔ اس پر ہمارے پاس کوئی رسید نہیں ہے کہ یہ شخص ولی ہے کہ نہیں۔ بندۂ مومن کو اللہ نے کہا ہے کہ میں اس کا ولی ہوں یعنی دوستی اللہ کی طرف سے ہے۔ ولایت کہتے ہیں دوستی کو، اچھے تعلق کو، محبت کے رشتے کو، ہم جب ولی اللہ کہتے ہیں تو ہمارا یہ خیال ہوتا ہے، گمان ہوتا ہے، ہمارا اپنا فیصلہ ہوتا ہے کہ اس شخص کا کردار ایسا ہے کہ یہ اللہ کا دوست ہے۔ ولایتِ عامہ میں اللہ فرماتا ہے میں ہر مومن کا دوست ہوں۔ بندے کا دوست ہونا اور بات ہے، اللہ کا دوست ہونا اور بات ہے۔ اب جو لوگ اس ولایتِ عامہ کی لاج رکھتے ہیں۔ اللہ نے مجھے اپنا دوست کہا ہے میں اللہ کی اطاعت کروں ان کے لیے اللہ کریم ولایت خاصہ کے راستے بھی کھول دیتے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ (سورۃ العنکبوت: 69) جو لوگ میرے لیے محنت اور مجاہدہ کرتے ہیں فِيْنَا۔۔۔ ہماری ذات کی محبت کے لیے، ہمیں پانے کے لیے، میرے قرب کے لیے، میں اُن کی راہیں کھول دیتا ہوں۔ یہاں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کریم اس بندے کو ایسے لوگوں سے ملا دیتا ہے جو اُسے اللہ کے راستے پر چلاتے ہیں، جو اُسے سلوک سکھاتے ہیں جو قربِ الٰہی کے راستے پہ لے کر چل پڑتے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ (سورۃ العنکبوت: 69) ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیتے ہیں۔ "اپنے راستے" کیا ہیں؟ یہی سلوک وطریق کے راستے، جن میں سارا عمل شریعت پر کرنے کے بعد پھر مجاہدہ ہے ذکر اذکار کا نوافل کا، شب بیداری کا، تلاوت کا مجاہدہ۔ سب کچھ درست کرنے کے بعد پھر مجاہدہ ہے۔ تو یہ اللہ کے راستے ہیں اور چونکہ ذکر کے طریقے اور سلاسل مختلف ہیں اس لیے اللہ نے لفظ جمع کا استعمال فرمایا۔ سب کے طریقے میں اختلاف ہے۔ سب کے اوقات میں، سب کے لطائف کے تعین میں اختلاف ہے، مراقبات میں، راستے میں کوئی اختلاف نہیں، طلب میں کوئی اختلاف نہیں۔ وہ پشتو میں کہتے ہیں کہ منزل سب کی ایک ہے راستے اپنے اپنے ہیں۔ تو ولایتِ عامہ ہر ایک کو حاصل ہے، ہر وہ بندہ اس میں شامل ہے جسے ایمان نصیب ہے۔ ولایتِ عامہ کا خاصہ یہ ہے کہ ولایتِ خاصہ تک لے جاتی ہے۔ بندے میں طلب پیدا کر دیتی ہے۔ ہیجان پیدا کر دیتی ہے۔ جب اس کی آرزو بڑھتی ہے تو اللہ کریم اُسے ایسے لوگوں سے ملوا دیتے ہیں جو اُسے آگے کا راستہ دکھاتے ہیں۔

سوال: ارشادِ باری ہے کہ میں کسی نفس پر یا انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ لہٰذا پھر سوال یہ ہے کہ انسان پر ایسی مصیبت کیوں پڑتی ہے جس کو وہ برداشت نہیں کرتا، کسی غریب پر ایسی بیماری آجائے جس کے علاج کے پیسے اس کے پاس نہیں ہوتے؟

جواب: میرے بھائی! یہ بیماری کو آپ نے اللہ کے بوجھ میں کہاں داخل کر دیا۔ اللہ کا بوجھ وہ ہے جو اس نے احکام دیئے ہیں مثلاً

دائیں ہاتھ سے وضو کیا جاتا ہے، ایک آدمی کا دایاں ہاتھ شل ہو، کٹ گیا ہے تو اس پر یہ بوجھ نہیں ہے کہ پھر دائیں سے نہیں کر سکتا تو بائیں سے کر لے۔ اس کے لیے رعایت ہے کہ جیسے کر سکتا ہے کرے۔ کھڑا ہونا نماز میں فرض ہے جب فرض ہی ترک ہو گیا تو نماز کہاں ہوگی۔ فرمایا نہیں! نہیں کھڑا ہو سکتا تو بیٹھ جائے۔ بیٹھ نہیں سکتا تو اشارے سے نماز پڑھ لے میں قبول کر لوں گا، یعنی جتنی اس میں ہمت ہے اس سے زیادہ اس پر بوجھ نہیں ڈالا گیا۔ روزہ رکھے وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ (سورۃ البقرہ: 184) ہر حال میں، سفر میں بھی روزہ رکھو تو بہتر ہے۔ نہیں رکھ سکتے تو قضا کر لو۔ رکھو تو بہتر ہے۔ دورانِ سفر نہیں رکھ سکتے تو افطار کر لو، کھاؤ پیو جب سفر ختم ہوگا جب رمضان ختم ہوگا تو بعد میں قضا کر لینا۔ بیمار ہو، نہیں رکھ سکتے تو قضا کر لو۔ بڑھاپا آ گیا ہے پیرِ فرتوت ہے۔ فرتوت اُسے کہتے ہیں کہ وہ بڑھاپا آ جائے جس سے بحال ہونے کی گنجائش نہ رہے اُسے کہتے ہیں پیرِ فرتوت۔ گیا گزرا ہوا، اب وہ روزہ نہیں رکھ سکتا تو فرمایا ایک بندے کا کھانا ایک روزے کے بدلے کسی غریب کو دے دو۔ بوجھ تو یہ تھا کہ اُسے کہا جاتا کہ ہر حال میں رکھو۔ فرمایا نہیں، تم نہیں رکھ سکتے میں تمہیں روزے کا اجر دے دوں گا، روزے کا ثواب دے دوں گا وہ درجہ دے دوں گا۔ پھر کھانا کس معیار کا ہو؟ ہر شخص کے اپنے معیارِ زندگی کے مطابق ہونا چاہیے۔ ایک آدمی وزیر اعظم ہے، پرائم منسٹر ہاؤس کا اکیس لاکھ روپے کا ایک دن کا خرچ ہے۔ غریب بندہ اکیس لاکھ روپے کس کو دے بھئی؟ جس نے اکیس لاکھ زندگی میں دیکھے بھی نہ ہوں تو فرمایا، آسانی کر دی کہ جو خود کھاتے ہو وہ ایک دن کا کھانا کسی غریب کو دے دو۔ ایک امیر آدمی ہے وہ دس بارہ کھانے کھاتا ہے، وہ اس لحاظ سے اُس کی قیمت دے یا کھانا کسی غریب کو دے۔ ایک غریب ہے وہ سوکھی روٹی، پانی سے کھاتا ہے۔ میں نے لوگوں کو روٹی کھاتے دیکھا ہے، کھائی بھی ہے، ہم بھی اس طرح کھا لیتے تھے۔ روٹی لی، ایک مرچ لی، ایک پیاز لیا اس سے روٹی کھا لی اور اب بھی میں کھا لیتا ہوں۔ الحمدللہ! اب بھی کتنے اوقات گزر گئے ہیں صرف پیاز سے روٹی کھا لیتا ہوں، ایک ہری مرچ سے کھا لیتا ہوں۔ ایک گلاس لسی سے روٹی کھا لیتا ہوں تو جس کی اپنی روزانہ کی غذا ہے اگر مجھے فدیہ دینا ہے تو میں لسی والا نہیں دوں گا جو میری حیثیت ہے اُس کے مطابق دوں گا۔ اگر میں وہ کھاتا ہوں تو میری مرضی لیکن اللہ کی نعمتیں تو میرے پاس ہیں۔ جو میرا روزانہ کا معیار ہے اس کے مطابق ایک دن کا خرچ روزے کے بدلے دوں گا۔ تو کسی انسان پر اس کی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جاتا، اس سے مراد یہ ہے کہ جس کام کے کرنے کی اس میں ہمت نہیں وہ اس کا مکلف نہیں۔ اس کا بیماری صحت سے کوئی تعلق نہیں وہ الگ نظام ہے۔ اکثر بیماریاں اللہ کی طرف سے لگائی نہیں جاتیں ہم خریدتے ہیں۔ اکثر مصیبتیں ہم خریدتے ہیں۔ آپ کسی مصیبت کا، کسی بیماری کا تجزیہ کریں تو طبیب اور ڈاکٹر بھی آپ کو بتا دے گا کہ یہ بیماری آپ کو اس بدپرہیزی سے ہوئی ہے یعنی ہمارا جو کردار ہے اس کے باطنی اثرات ہیں، ایک اس کے ظاہری اثرات ہیں۔ دنیا میں ایک شخص مزاج کے خلاف کوئی چیز کھا لے گا تو بیمار تو ہوگا۔ ہماری یہ عادت ہے کہ ہم اپنا ذمہ نہیں لیتے جہاں نقصان ہوتا ہے تو اللہ کے ذمہ لگا دیتے ہیں۔ کوئی بات بن جائے تو پھر کہتے ہیں یہ میری دانشمندی سے ہوا ہے۔ جہاں بگڑ جائے ۔

بات بن جائے تو شان یہ تدبیر کی ہے
اور بگڑ جائے تو خطا کاتبِ تقدیر کی ہے

تو آپ ان بیماریوں کو اس میں خلط ملط نہ کریں، جو اللہ نے فرمایا کہ کسی انسان پر اس کی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جاتا۔ بوجھ سے مراد ہے احکامِ شریعت، جو کام بندہ نہیں کر سکتا، اب سب سے بڑا رکن تو نماز ہے اور نماز کا بڑا رکن ہے، کھڑے ہو کر پڑھنا۔ فرض ہے، رکوع فرض ہے۔ رکوع کے بعد قیام فرض ہے، رکوع سے سجدے میں چلے جانے سے ایک رکن فوت ہو جاتا ہے قیام کا۔ رکوع کے بعد اس طرح کھڑے ہوں کہ کمر کی یا پشت کی ہڈیاں اپنی اپنی جگہ آ جائیں، پھر سجدے میں جائیں۔ سجدے سے اٹھ کر اتنا بیٹھیں کہ ہڈیاں اپنی جگہ پر آ جائیں پھر دوسرے سجدے میں جائیں۔ بلکہ ارشاداتِ نبوی ﷺ میں ہے کہ مرغی کی طرح ٹھونگیں نہ مارو، لیکن بیماری کے لیے یہ سارے فرائض ساقط ہو جاتے ہیں، نہ وہ کھڑا ہوتا ہے نہ وہ رکوع کرتا ہے، نہ وہ سجدے میں جاتا ہے، وہیں بیٹھے بیٹھے تھوڑا سا سر جھکا یا رکوع کر لیا۔ وہیں بیٹھے بیٹھے ذرا زیادہ جھکا یا سجدہ ہو گیا۔ فرمایا میں وہ بھی قبول کر لیتا ہوں، مجھے پتا ہے کہ اس میں وہ استعداد نہیں ہے تو جو استعداد بندے میں نہیں ہوتی اس کا بوجھ نہیں ڈالا جاتا۔ روزہ نہیں رکھ

سکتا تو مجبوری نہیں ہے فدیہ دینے کا راستہ موجود ہے۔ اسی طرح مسافر کے لیے رعایتیں موجود ہیں۔ اسی طرح معذور کے لیے رعایتیں موجود ہیں۔ اب پاؤں کا دھونا فرض ہے اب ایک شخص کے پاؤں کٹ ہی جائیں تو وہ فرض کہاں پورا کرے گا۔ خدانخواستہ ایک شخص کے دونوں پاؤں کٹ ہی گئے تو وہ فرض کہاں پورا کرے گا۔ نہیں ہیں تو ٹھیک ہے۔

تو اس طرح آپ ان کو خلط ملط کر دیتے ہیں جس طرح وہ پہلے سوال میں انبیاءؑ کو غیر انبیاء سے خلط ملط کر دیا یا انبیاءؑ کا آپس میں مقابلہ جوڑ دیا۔ یہاں آپ نے خلط ملط کر دیا اس کو سمجھ لیں۔ اللہ کی طرف سے وہ ذمہ داریاں بوجھ ہیں جو اللہ کی طرف سے ہم پر فرض ہیں اور وہ اتنی ہی فرض ہیں جتنی بندے میں ہمت ہے اس کے لیے بھی ارادہ کر لے، کر نہ سکے اللہ اُسے اجر عطا فرمائے گا۔ تو پھر یہ بیماری جو ہے یہ تو ہم اپنی مارکیٹ سے خریدتے ہیں بھائی۔ مصیبتیں جنہیں ہم کہتے ہیں ہمیں یہ بھی تمیز نہیں ہوتی کہ یہ مصیبت ہے یا راحت ہے۔ مصیبتیں ان باتوں کو کہتے ہیں جو ہماری پسند کے خلاف ہوتی ہیں۔ خواہ کوئی بات ہو جو ہماری پسند کے خلاف ہو ہم سمجھتے ہیں یہ مصیبت ہے۔ بھئی! ہم کیا ہماری پسند کیا۔ پتا نہیں اس مصیبت میں راحت ہوگی، عند اللہ اس کا کیا اجر مل رہا ہے۔ اللہ کریم کو اُس طرح سے منظور ہے۔ تو جب ہم اللہ کی پسند پر نہیں رہتے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند پر نہیں رہتے اپنی پسند کو آگے رکھتے ہیں تو اس کے نتیجے میں مصیبتیں، بیماریاں اور تکلیفیں آتی ہیں۔ احتیاط کریں تو اللہ بچا لیتا ہے۔ نیک لوگوں پہ بھی آتی ہیں لیکن وہ ان لوگوں کے لیے ترقئ درجات کا سبب بن جاتی ہیں۔ ماوشا پہ بھی آتی ہیں لیکن وہ تلافئ مافات ہو جاتی ہیں۔ جو گناہ کیے وہ جھڑ جاتے ہیں۔ جو گناہ کئے وہ معاف ہو جاتے ہیں تو جس مصیبت کے بدلے گناہ معاف ہو جائیں، وہ مصیبت تو نہ رہی۔ انجام کے اعتبار سے تو میدانِ حشر میں ہم اللہ کا شکر ادا کریں گے کہ یا اللہ شکر ہے تُو نے وہ بیماری بھیجی تھی، میرے اتنے گناہ معاف فرما دیئے آج مجھے بڑی شرمندگی ہوتی۔ تو حقیقت میں وہ مصیبت تو مصیبت نہیں جو راحت کا سبب بنتی ہے۔

ہاں! جو مصیبتیں از قسم عقوبات ہوتی ہیں یعنی بطور سزا ہوتی ہیں۔ وہ پہلی بات تو یہ ہے کہ غیر مسلم کا حصہ ہیں، غیر مومن کا حصہ ہیں کہ اس میں ایمان نہیں ہوتا، وہ راحت اور تکلیف کو اللہ کی طرف سے نہیں سمجھتا، بڑا تڑپتا ہے بڑا پریشان ہوتا ہے۔ مومن جو راحت اور تکلیف کو اللہ کی طرف سے سمجھتا ہے اس کا دل مطمئن رہتا ہے۔ تکلیف جسم پر وارد ہوتی ہے دل مطمئن ہوتا ہے، یہ تلافئ مافات ہے اور بعض اللہ کے مقرب بندوں پر آتی ہیں اس سے ان کے درجات بڑھتے ہیں تو وہ ترقئ درجات کا سبب بنتی ہیں۔ غیر مومن پر جو آتی ہیں وہ از قسم عقوبات ہوتی ہیں اور وہ ہر حال میں سزا ہی ہوتی ہیں، دکھ دیتی ہیں۔ دل جلتا ہے دماغ پریشان ہوتا ہے، بدن تڑپتا ہے۔ تو ہمیں خود اگر ہم ولی اللہ نہیں بن سکتے تو ضروری نہیں ہے تو ہم مومن تو بن کے دکھائیں کہ یہ تکالیف ترقئ درجات کا سبب نہ بنیں تو تلافئ مافات کا سبب تو بن جائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کے پاؤں میں کہیں کانٹا لگ جائے۔۔ پاؤں میں کانٹا کوئی جان کر تو نہیں چبھوتا کہیں نیچے آ گیا لگ گیا۔ اتفاقاً تو کتنے گناہ اللہ اس کے بدلے معاف کر دیتا ہے۔ اب کانٹے کی تکلیف اپنی جگہ لیکن جو گناہ معاف ہوئے ان پر تکلیف ہوتی تو وہ کتنی ہوتی۔ یہی ہوتا ہے تلافئ مافات۔ راستے میں پڑا ہوا پتھر کسی نے ہٹا دیا، لوگ ٹھوکر سے بچ گئے۔ اس کے کتنے گناہ معاف ہوئے، اس نے کون سا پہاڑ توڑا۔ تو ہر تکلیف ایک سی نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ شہداء سے میدانِ حشر میں پوچھا جائے گا کہ تم لوگوں نے میری راہ میں جانیں قربان کیں، تمہارے بدنوں کے پرخچے اُڑ گئے۔ کہو تم کیا چاہتے ہو، مانگو کیا چاہتے ہو؟ تو وہ عرض کریں گے بارالہا! ہمیں دنیا میں بھیج، کافروں سے مقابلہ آئے پھر ہمارے سینے چھلنی ہوں پھر ہماری گردنیں کٹیں جو مزہ تیری راہ میں گردن کٹانے میں یا سینہ چھلنی کرانے میں آیا ایک دفعہ پھر وہ مزہ ہم لیں گے۔ اب بظاہر تو یہ بڑی تکلیف ہے، اس سے بڑی تکلیف کیا ہوگی لیکن شہید ہونے والے کو اس میں اتنا مزہ آ رہا ہے کہ وہ یوم حشر میں عرض کرے گا ایک دفعہ معمورۂ عالم کو پھر بسا دے ہمیں وہاں بھیج، ہم باطل کے مقابلے میں ایک دفعہ پھر زیرِ خنجر آئیں۔ ارشاد ہوگا کہ وہ معاملہ تو ختم ہو چکا اب یہاں کی جو چیزیں چاہتے ہو لے لو۔ اب یہاں کی نعمتیں حاصل کرو۔ وہ لذت تو ایک ہی بار تھی وہ تم نے چکھ لی۔ اب بظاہر تو قتل ہونا کتنا تکلیف دہ ہے لیکن شہید کو قتل ہونے میں وہ مزہ آ رہا ہے کہ وہ وہاں پھر مانگ رہا ہے۔ تو صورتاً تکلیف

ہونا، نتیجے کے اعتبار سے بہتر ہونا وہ تکلیف نہیں ہے۔ صورتاً بھی اور نتیجتاً بھی دکھ ہونا یہ دکھ ہے اور یہ دکھ بندۂ مومن کے لیے نہیں ہے یہ صرف کافر کے لیے ہے۔ اب ہم اپنے ایمان کمزور کر لیں یا اپنے ایمان چھوڑ دیں تو وہ الگ بات ہے۔ ہم ایمان پر قائم رہیں تو کانٹا بھی چبھے تو وہ تلافیٔ مافات ہے۔ گناہ بخشوانے کا سبب بنتا ہے۔ اولاد فوت ہوجاتی ہے۔ حضور ﷺ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ یہ جو مومنوں کے معصوم بچے فوت ہوجاتے ہیں اگرچہ حشر کو گنہگار بھی ہوئے، ایمان لے گئے گنہگار بھی ہوئے تو وہ بچے شور کریں گے اللہ! میں نے بابا کو چھوڑ کر نہیں جانا، میں ماں کے بغیر نہیں جاؤں گا۔ اللہ کریم ان کو بھی معاف کر دیں گے کہ ساتھ لے جاؤ۔ اب بظاہر معصوم بچے کا گود میں دم توڑنا کتنا تکلیف دہ ہے لیکن بندۂ مومن کے لیے اس کا نتیجہ کتنا خوبصورت ہے۔ اس کے گناہ ہوں گے، بیوی کے گناہ ہوں گے، ممکن ہے انہیں سزا کے لیے جہنم بھیج دیا جائے تو بچے شور کریں گے۔ بچوں کو ارشاد ہوگا جاؤ جنت میں، تو وہ کہیں گے میں ماں باپ کے بغیر نہیں جاؤں گا، بابا کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔ اماں کو ساتھ لے کے جاؤں گا۔ ارشاد ہوگا اچھا لے جاؤ۔ اُن کے گناہ معاف ہوجائیں گے۔ اب بظاہر صورتاً یہ کتنی تکلیف دہ ہے۔ نتیجۃً کتنی اچھی ہے۔ تو بندہ مومن پر جو دکھ آتا ہے وہ صورتاً تکلیف ہوتی ہے، نتیجے کے اعتبار سے مزید ار بات ہوتی ہے۔ اس لیے اس کے جسم کو تکلیف ہوتی ہے، دماغ کو ہوتی ہے، دل پریشان نہیں ہوتا۔ ہاں ایمان میں کمی آجائے تو وہ الگ بات ہے۔

اور آج کے دور کا کمال یہ ہے کہ یہ ایمان پر ڈاکے ڈال رہا ہے۔ یہ جو گلوبل ویلیج بن گیا ہے اس میں اچھائی کو پھیلانے والے کم ہیں او رپورے گلوبل ویلیج میں برائیاں پھیلانے والے زیادہ ہیں۔ برائیاں سکھانے والے بہت زیادہ ہیں، ہر موبائل فون برائیاں سکھا رہا ہے۔ ہر کمپیوٹر برائیاں سکھا رہا ہے۔ ہر ٹیلی ویژن برائیاں سکھا رہا ہے۔ الا ماشاء اللہ کوئی اللہ کے بندے اُسے نیکی کے طور پر استعمال کریں اور نیکی کی اشاعت بھی کریں وہ بہت کم ہیں۔ یہ مشکل وقت آگیا ہے، مشکل ترین دور ہے تو اس میں ایمان کو بچانا ہے، خرافات سے بچنا ہے، برائیوں سے بچنا، بری صحبتوں سے بچنا، بُری باتوں کو دیکھنے، پڑھنے سے بچنا، بُری چیزوں کو دیکھنے سے بچنا یہ ضروری ہوگیا ہے اور یہ ضروری ہے کہ اللہ ہماری اولادوں کو بھی، ہمارے بچوں کو بھی ان بُری چیزوں سے بچائے۔ ایمان سلامت ہو تو مومن پر کوئی مصیبت، مصیبت نہیں ہوتی۔ ترقیٔ درجات نہ ہو تو تلافیٔ مافات تو ہوجاتی ہے اور مصیبت عنداللہ صرف کافر کے لیے ہے تو اُسے ظاہراً بھی تکلیف ہوتی ہے، قلبی طور پر بھی تکلیف ہوتی ہے اور آخرت میں بھی تکلیف ہوگی۔

بہرحال آپ کے سوال اچھے تھے۔ آپ نے اچھے اچھے سوال بھی لکھے جھجک بھی ماری ایسا ہوتا ہے یہ پھر کوئی بات نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ آپ یہ احتیاطیں نوٹ کر لیں گے جو میں نے کی ہیں۔ سوال ضرور پوچھنا چاہئے خواہ کیسا بھی ہو۔ کم از کم پوچھنے کے آداب کی اصلاح ہوجاتی ہے تو سوال علم کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ پوچھیں گے نہیں تو جانیں گے کیسے؟ میں سوالوں سے بدمزہ بھی نہیں ہوتا خفا بھی نہیں ہوتا ہاں خوش طبعی کر لیتا ہوں آپ کے ساتھ۔ میرا خیال ہے آپ اس پر ناراض نہیں ہوں گے ہاں باتیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں لیکن اصلاح کیجئے اپنے اندازِ فکر کی، اپنی سوچ کی۔ اللہ کریم آپ کے درجات بلند فرمائے۔

سالانہ اجتماع 2017ء

دارالعرفان، منارہ میں سالانہ اجتماع 8 جولائی 2017ء بروز ہفتہ سے شروع ہوکر 13 اگست 2017ء بروز اتوار کو اختتام پذیر ہوجائے گا۔ اس اجتماع کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ ساتھیوں سے التماس ہے کہ اس موقع سے بھر پور فائدہ اٹھائیں۔ اس میں شرکت کریں۔ دوستوں اور رشتہ داروں کو بھی دعوت دیں۔ تزکیۂ نفس کے اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اپنی اصلاح کریں اور اپنی دنیا اور آخرت دونوں کو بہتر بنائیں۔

یاد رکھیں تصوّف اور سلوک کی تعلیم اس سے بہتر اور منظم انداز میں آپ کو کہیں میسر نہیں آئے گی۔

(منجانب ادارہ المرشد)

خواتین کا صفحہ

حضرت ربیع بنت نضر رضی اللہ عنہا

نام و نسب: حضرت ربیع بنت نضر کا تعلق انصار کے معزز ترین خاندان بنو نجار سے تھا ان کا سلسلہ نسب یہ ہے: بنت نضر بن ضمضم بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار۔

جلیل القدر بھائی: یہ مشہور صحابی رسول حضرت انس بن نضر کی حقیقی بہن ہیں اور انس بن مالک بن نضر جو خادم رسولؐ تھے ان کی پھوپھی ہیں۔

(طبقات ابن سعد، ج:8،ص:424،الاصابہ،ج:4،ص:694)

شادی: ان کا نکاح اپنے ہی خاندان کے ایک شخص سراقہ بن حارث سے ہوا اور ان سے حارثہؓ اور ام عمیرؓ کو جنم دیا۔ حارثہؓ کے ساتھ ہی حضرت ربیع کی کنیت "ام حارثہ" ہے۔

قبولِ اسلام: حضرت ربیع اور ان کے بچوں کے علاوہ ایک بہن بھی صحابیہ تھیں جن کا نام ام حکیم بنت نضر تھا جنہوں نے حضور ﷺ سے بیعت بھی کر رکھی تھی اور یوں یہ سب لوگ قبولِ اسلام میں پہل کرنے والے صحابہ کے قافلے میں شامل ہو گئے۔

سراقہ ہجرتِ نبوی ﷺ سے قبل ہی وفات پا گئے اور اسلام سے بہرہ ورنہ ہو سکے البتہ حضرت ربیع اور ان کے اہلِ خانہ نے ہجرتِ نبوی کے فوراً بعد قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی۔

عمدہ تربیت: حضرت ربیع بہت نیک سیرت اور صابر خاتون تھیں۔ انہوں نے نہایت دلسوزی کے ساتھ اپنے یتیم بچوں کی تربیت کی اور ان کو باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ انہوں نے حضرت حارثہؓ کو اس طرح تیار کیا کہ ان کے دل میں حضور ﷺ کی محبت اور ذوقِ شہادت کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔

حضرت حارثہؓ کا جذبۂ ایمان: حضرت حارثہؓ اپنی ماں کے نہایت فرمانبردار اور خدمت گزار بیٹے تھے اور ساتھ وہ ان نوجوانوں میں سے تھے جن کے دل جذبۂ ایمان سے آباد تھے اور ذوقِ شہادت نے انہیں دنیا کی ہر دوسری چیز سے غافل کر رکھا تھا۔ منقول ہے ایک روز جب وہ آپ ﷺ کے سامنے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے یہ فرمایا: "اے حارثہ تیری صبح کیسے گزری؟" عرض کی "اللہ پر ایمان کی مضبوطی کی حالت میں" آپ ﷺ نے فرمایا "دیکھ لے کیا کہہ رہا ہے؟" عرض کی "یا رسول اللہ ﷺ! میرے نفس نے دنیا سے بے رغبتی کر لی ہے پس میں راتوں کو جاگا اور دن کو پیاسا رہا۔ گویا اب میرے رب کا عرش میرے سامنے ہے اور اہلِ جنت کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ ایک دوسرے کی زیارتیں کر رہے ہیں اور اہلِ جہنم کی طرف دیکھ رہا ہوں کہ وہ ایک دوسرے پر ہجوم کیے آہ و فریاد کر رہے ہیں۔" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تو بیشک مومن ہو گیا ہے لہٰذا بندگی کو لازم پکڑ" تو حارثہؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ ﷺ! میرے لیے شہادت کی دعا فرمائیے۔" تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔

(سیرت حلبیہ، ج:2،ص:405)

معرکۂ بدر اور بیٹے کی شہادت: جب غزوۂ بدر کا معرکہ پیش آیا تو حضرت حارثہؓ بھی ماں کی دعائیں لیتے ہوئے نکل پڑے جب معرکۂ کارزار گرم ہوا تو شہادت سے سرخرو ہوئے اور اپنی تمنا کو پہنچ گئے اور نبی کریم ﷺ کی دعا قبول ہوئی اور آپ ﷺ کی خبر سچی ہوئی۔

ابنِ اسحاقؒ فرماتے ہیں: "معرکۂ بدر میں سب سے پہلے شہید حضرت عمرؓ بن خطاب کے غلام مجعؓ ہیں ان کو تیر لگا جس سے شہادت پائی اور ان کے بعد حضرت حارثہؓ بن سراقہ کو تیر لگا۔ جس کے مارنے والے کا پتہ نہ چل سکا اور وہ تیر ان کے سینے پر لگا اور وہ شہید ہو گئے۔"

(اسد الغابہ، ج:4،ص:424؛
تہذیب الاسماء واللغات، ج:2،ص:117)

حضرت ربیع کا صبر و استقلال: "حضرت ربیع، اُم حارثہ اور حارثہ کی بہن مدینے میں تھیں جب ان کو حضرت حارثہؓ کی شہادت کی خبر موصول ہوئی لیکن انہوں نے کمال ضبط کا مظاہرہ کیا اور فرمایا: "اللہ کی قسم میں نہ روؤں گی یہاں تک کہ رسول اکرم ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف

لائیں اور ان سے سوال کروں گی اگر میرا بیٹا جنت میں ہے تو ہرگز نہ روؤں گی اور صبر کروں گی اور اللہ سے اجر کی اُمید رکھوں گی اور اگر جہنم میں ہے تو اللہ دیکھے گا کہ میں اس کے غم میں اپنا کیا حال کرتی ہوں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے فاتح و منصور ہو کر واپس لوٹے تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حارثہ میرا نہایت اطاعت گزار اور محبوب فرزند تھا اس کی جدائی کا صدمہ جس قدر میرے دل پر ہے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ اس کے غم میں گریہ کروں لیکن پھر سوچا جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پوچھ نہ لوں کہ حارثہؓ اب کس حال میں ہے خاموش رہوں گی، اگر وہ جنت میں ہے تو صبر کروں گی اور اگر وہ جہنم میں ہے تو اس پر خوب روؤں۔" تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم متعجب ہوئے اور فرمایا: "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ حارثہ تو جنت میں ہے۔ بیشک جنت میں باغات ہیں جہاں تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے۔"

(بخاری، ج:6،ص:26، باب الجہاد: مغازی، ج:7،ص:307)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت: یہ سن کر اُم حارثہؓ بے اختیار ہنس دیں اور بولیں "بخ بخ یا حارثہ" (واہ واہ اے حارثہ) اس کے بعد انہوں نے کہا: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب میں حارثہؓ کے لیے کبھی نہ روؤں گی۔"

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا ایک برتن منگوایا پھر اپنے دستِ اقدس اس میں ڈبو دیئے اور اپنے منہ میں پانی ڈالا اور کلی کی اور وہ کلی کا پانی ام حارثہؓ کو دیا جس کو انہوں نے پی لیا اور پھر ان کی بیٹی کو دیا اور انہوں نے بھی پی لیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے سینوں پر اس پانی سے چھینٹے ڈالیں اور انہوں نے ایسے ہی کیا۔

پھر یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے واپس ہوئیں اور اس دن مدینے میں ان دو سے زیادہ کسی کی آنکھیں ٹھنڈی نہ تھیں اور ان سے زیادہ کوئی خوش نہ تھا۔ (سیرت النبوی (احلان)، ج:1،ص 337)

قصاص کا واقعہ: حضرت ربیع اور انصار کی ایک لڑکی کے درمیان جھگڑا ہو گیا یہاں تک کہ حضرت ربیع سے اس لڑکی کے سامنے کے دانت ٹوٹ گئے تو لڑکی کے گھر والوں نے قصاص (بدلہ) طلب کیا اور اہلِ ربیع نے معافی طلب کی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور مقدمہ پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کے حق میں فیصلہ دیا ربیع کے بھائی انس بن نضر کھڑے ہو گئے اور عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ربیع کے دانت توڑے جائیں گے، نہیں! قسم اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا، ربیع کے دانت نہیں توڑے جائیں گے" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ کا حکم یہی ہے ہاں اگر وہ دیت پہ راضی ہو جائیں۔" اللہ نے قصاص والوں کے دل میں نرمی ڈال دی اور انہوں نے معاف کر دیا اور حضرت ربیع قصاص سے بچ گئیں۔

اس موقعہ پہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ جب کسی بات پر قسم کھا بیٹھتے ہیں تو اللہ ان کی قسم پوری کر دیتا ہے۔" اللہ کی بارگاہ میں اس سے زیادہ کیا اکرام ہوگا۔

بھائی کی شہادت: حضرت انس بن نضرؓ جنگِ بدر میں حاضر نہ ہو سکے جو ان پر نہایت شاق گزرا۔ فرمایا کرتے "یہ معرکہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر تھے اور میں غائب رہا اگر اللہ کوئی اور معرکہ دکھائے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو اللہ پاک دیکھ لیں گے کہ میں کیا کرتا ہوں۔"

اور پھر انہیں یہ موقع غزوۂ احد میں ملا حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ "انس بن نضرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احد میں شریک ہوئے۔ سامنے سے سعد بنؓ معاذ آئے تو انس بن نضر نے پوچھا "ابوعمرو، کہاں؟ واہ میں تو جنت کی خوشبو احد کے پاس پاتا ہوں اور پھر جنگ میں گھس گئے یہاں تک کہ شہید ہو گئے اور اُن کے جسم پر 80 سے زیادہ تلوار، تیر اور نیزوں کے نشان پائے گئے تو ان کی بہن ربیع بنت نضر کہتی ہیں کہ میں نے انہیں ان کی انگلیوں کے پوروں سے پہچانا۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

انس بن مالک مزید کہتے ہیں کہ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

(سورۃ الاحزاب:23)

ترجمہ: کہ "مومنین میں ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنا وعدہ جو اللہ سے کیا تھا سچا کر دکھایا بعض نے پورا کر دیا اور بعض انتظار میں ہیں اور انہوں نے وعدہ تبدیل نہیں کیا۔

پس اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

بچوں کا صفحہ

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

ع خان، لاہور

حضرت زید بن حارثہؓ کی عمر آٹھ سال تھی جب آپؓ اپنی والدہ کے ساتھ اپنے ننھیال رہنے آئے تھے۔ آپ لوگ اپنی برادری کے ایک گھر میں اترے ہی تھے کہ بنی قین کے ڈاکوؤں نے حملہ کر کے لوٹ مار شروع کر دی۔ اس لوٹ مار میں انہوں نے بستی کا بہت سامال اپنے قبضے میں کر لیا، ان کے مویشی ہانک کر لے گئے عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا۔ ان بچوں میں حضرت زید بن حارثہؓ بھی تھے۔ ڈاکو ان بچوں کو فروخت کرنے کے لیے عکاظ منڈی لے گئے۔ حضرت زید بن حارثہؓ کو وہاں کے ایک دولتمند سردار حکیم بن حزام بن خویلد نے چار سو درہم میں خرید لیا۔ ان کے علاوہ سردار حکیم بن حزام نے اور بھی بہت سے غلام خریدے اور ان سب کو لے کر مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ سردار حکیم بن حزام بن خویلد مکہ معظمہ پہنچے تو ان کی رشتے کی پھوپھی حضرت خدیجہؓ بن خویلد ان سے ملنے کے لیے تشریف لائیں۔ حکیم بن حزام نے کہا کہ پھوپھی جان میں عکاظ منڈی سے بہت سے غلام خرید کر لایا ہوں۔ آپ کو ان میں جو غلام پسند ہو وہ میں بطور تحفہ آپ کی خدمت میں پیش کر کے خوشی محسوس کروں گا۔ حضرت خدیجہؓ نے تمام غلاموں کو دیکھا اور ان میں سے حضرت زید بن حارثہؓ کا انتخاب کیا کیونکہ ذہانت اور شرافت ان کے چہرے سے ٹپکتی تھی۔

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد نبیٔ اکرم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شادی مبارک حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے ہو گئی۔ حضرت خدیجہؓ نے اس مبارک موقع پر حضرت زید بن حارثہؓ کو تحفتاً آپ ﷺ کی خدمت عالی میں پیش کیا اس طرح یہ بچہ آپ ﷺ کی صحبتِ عالی سے فیضیاب ہونے لگا۔ یہ سب نبیٔ اکرم ﷺ کے اعلانِ نبوت سے تقریباً (پندرہ) 15 سال پہلے کا واقعہ ہے جب ساری دنیا میں انسانوں کو قید کر کے غلام بنا لیا جاتا تھا۔ ان کی خرید و فروخت باقاعدہ منڈیوں میں ہوتی تھی اور ایک غلام کے کسی بھی قسم کے کوئی انسانی حقوق نہیں تھے۔ انہیں تھوڑا بہت کھانا صرف اس لئے دے دیا جاتا تھا کہ ان میں طاقت رہے اور یہ کام کرتے رہیں، ایسا نہ ہو کہ بھوک پیاس سے غلام مر جائے اور خریدنے والے کا پیسہ ضائع ہو جائے۔ اُس زمانے اور اُن حالات میں نبیٔ رحمت ﷺ کا برتاؤ اپنے غلام کے ساتھ بھی نہایت اچھا اور بے مثال تھا۔ اس بات کا اندازہ ہم اس واقعہ سے لگا سکتے ہیں کہ حضرت زید بن حارثہؓ کے والدین بہت سال گزرنے کے بعد بھی اپنے بیٹے کو ڈھونڈتے رہے، بلکہ انہوں نے اپنے خاندان بھر میں بھی انہیں ڈھونڈنے کا کہہ رکھا تھا۔ چند سال بعد اس خاندان کے چند افراد مکہ مکرمہ آئے تو انہوں نے آپؓ کو پہچان لیا۔ پھر آپؓ سے گفتگو کے بعد انہیں یقین ہو گیا کہ زید بن حارثہؓ ہی ہیں تو انہوں نے واپس آ کر ان کے والدین کو اطلاع کی۔ اس اطلاع کے ملتے ہی حضرت زید بن حارثہؓ کے والد فوری طور پر اپنے بھائی کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچتے ہی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم بہت سامال لائے ہیں ذرا ہم پر کرم کیجئے۔ آپ ﷺ جو قیمت لینا چاہیں ہم خوشی سے دینے کو تیار ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے پوچھنے پر کہ کون ہے آپ کا بیٹا جس کا آپ مطالبہ کر رہے ہیں، انہوں نے عرض کی کہ آپ ﷺ کا غلام زید بن حارثہؓ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں ایک ایسی تجویز دوں جو فدیہ سے کہیں بہتر ہے؟ دونوں نے حیرت سے پوچھا کہ وہ کیا؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں اسے تمہارے سامنے بلاتا ہوں۔ اگر وہ تمہارے ساتھ جانا پسند کرے تو اسے اختیار ہے، بڑی خوشی سے لے جائیں۔ میں اس کے بدلے میں کچھ بھی نہیں

لوں گا۔ وہ کہنے لگے آپ نے بالکل درست کہا، آپ ﷺ نے عدل وانصاف کا حق ادا کر دیا، ہمیں آپ ﷺ کی تجویز منظور ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو بلوایا اور پوچھا کہ یہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے عرض کی کہ یہ میرے والد حارثہ بن شراجیل ہیں اور یہ میرے چچا کعب ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میری طرف سے تمہیں اختیار ہے کہ ان کے ساتھ چلے جاؤ یا میرے پاس رہو۔ حضرت زید بن حارثہؓ نے یہ سنتے ہی بغیر کسی تردد کے عرض کی کہ حضور ﷺ میں تو آپ ﷺ کے ساتھ ہی رہوں گا۔ یہ سن کر حارثہ بن شراجیل نے بڑے افسوس سے کہا کہ یہ تو بڑے دکھ کی بات ہے کہ تُو ماں باپ پر غلامی کی زندگی کو ترجیح دیتا ہے۔ حضرت زید بن حارثہؓ نے بڑے ادب سے اپنے والد سے کہا کہ ابا جان! میں نے یہاں ان ﷺ کے جن خوبصورت اوصاف کا مشاہدہ کیا ہے اور جس شفقت اور محبت سے آپ ﷺ میرے ساتھ پیش آتے ہیں میں ان کے اعلیٰ اخلاق سے بے حد متاثر ہوں اور اسی وجہ سے میں انہیں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ اس پر حضرت زید بن حارثہؓ کے والد نے بخوشی اس معاملے کو قبول کر لیا اور واپس چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد وہ حضرت زید بن حارثہؓ کی والدہ کو لے کر آئے تاکہ وہ بھی دیکھ لیں کہ ان کا بیٹا جہاں ہے وہاں بے حد خوش ہے اور والدہ کے دل کو سکون ہو جائے جو اتنے سال بیٹے کی یاد میں روتی رہی تھیں۔

حضرت زید بن حارثہؓ کی اس والہانہ محبت کو دیکھ کر حضور نبی اکرم ﷺ بہت خوش ہوئے، اسی وقت حضرت زیدؓ کا ہاتھ پکڑا اور سیدھے بیت اللہ تشریف لے گئے۔ وہاں آپ ﷺ نے سردارانِ قریش کے سامنے باآواز بلند ارشاد فرمایا کہ اے خاندانِ قریش! گواہ رہنا، یہ میرا بیٹا ہے یہ میرا وارث ہے اور میں اس کا وارث ہوں۔ یہ سارا واقعہ اعلانِ نبوت سے پہلے کا ہے۔ حضور ﷺ کے بیت اللہ میں کیے گئے اس اعلان کے بعد حضرت زید بن حارثہؓ کو لوگوں نے زیدؓ بن محمدؐ کے نام سے بلانا شروع کر دیا۔ پھر جب حضور اکرم ﷺ کو نبوت عطا ہوئی تو کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا۔ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآءِ هِمْ اس وحی کے نزول کے بعد حضرت زید بن حارثہؓ دوبارہ اسی نام سے پکارے جانے لگے۔

حضور اکرم ﷺ کو نبوت عطا ہونے سے پہلے عرب میں یہ رواج تھا کہ منہ بولا بیٹا بالکل سگے بیٹے کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ منہ بولے بیٹے کے ساتھ منہ بولے باپ کا نام بھی لگتا تھا اور وہ منہ بولے والد کی جائیداد میں وراثت کا بھی حصہ دار ہوتا تھا لیکن اس وحی کے نازل ہونے کے بعد یہ رسم ختم ہو گئی۔ بلکہ اس رسم کو جڑ سے ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک اور واقعہ ہوا جس کے بعد یہ رسم مسلمانوں میں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ ہوا یوں کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کا رشتہ حضرت زید بن حارثہؓ کے ساتھ طے کیا۔ حضرت زینبؓ نے ادب میں یہ رشتہ قبول کر لیا لیکن شادی کے بعد وہ بہت ناخوش رہنے لگیں۔ آخر حضرت زید بن حارثہؓ کے کہنے پر یہ رشتہ ختم کر دیا گیا۔ حضرت زینبؓ کی عدت کی مدت ختم ہونے پر اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضور اکرم ﷺ کو حکم فرمایا کہ آپ ﷺ حضرت زینبؓ سے شادی کریں۔ حضور اکرم ﷺ کی طرف سے اس حکم کی تعمیل کے بعد منہ بولے بیٹے کو سگے بیٹے کا درجہ دینے والی یہ رسم اہلِ ایمان میں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔

حضور اکرم ﷺ کی طرف سے حضرت زید بن حارثہؓ کے لیے محبت وشفقت کا وہی عالم رہا اور حضرت زید بن حارثہؓ کی طرف سے بھی محبت اور جانثاری مزید بڑھ گئی۔ ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ ایک غزوہ میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے تو پیچھے حضرت زید بن حارثہؓ کو نیابت کی عظیم ذمہ داری سونپ کر گئے۔ حضرت زید بن حارثہؓ کو رازدانِ رسول اللہ ﷺ ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ ایک غزوہ میں حضرت زید بن حارثہؓ کو سپہ سالاری کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔ حضرت زید بن حارثہؓ جب کسی مشن پر روانہ ہوتے تو حضور ﷺ ان کے لیے دعا فرماتے اور واپسی پر دلی مسرت کا اظہار فرماتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ زید بن حارثہؓ ایک سفر سے واپس لوٹے تو حضور اکرم ﷺ اس وقت میری طرف تشریف فرما تھے۔ حضرت زیدؓ نے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھولنے پر حضرت زیدؓ کو سامنے پا کر حضور اکرم ﷺ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی، انہیں گلے لگایا، ماتھا چوما۔ بخدا میں نے پوری زندگی آپ ﷺ کو اس طرح کسی صحابیؓ کو خوش آمدید کہتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اسی لیے حضرت زیدؓ، اہلِ

ایمان میں حبیب رسول اللہ ﷺ کے نام سے معروف تھے اور صحابہ کرامؓ نے حضرت زیدؓ کے بیٹے، حضرت اسامہؓ کو فرزند حبیب رسول اللہ ﷺ کا نام دے رکھا تھا۔

8ہجری میں حضور اکرم ﷺ کی طرف سے بھیجے گئے ایک قاصد کو قتل کرنے پر حضور نبی کریم ﷺ نے تین ہزار مجاہدین کا ایک لشکر تیار کر کے جنگ موتہ کے لیے روانہ فرمایا حضرت زید بن حارثہؓ کو اس کا سپہ سالار مقرر فرمایا اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا، کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائے تو جعفرؓ بن ابی طالب کو لشکر کی قیادت سونپ دی جائے اور اگر جعفرؓ شہید ہو جائے تو عبداللہ بن رواحہؓ کو قیادت دے دی جائے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر مجاہدین اسلام اپنے میں سے جسے بہتر سمجھیں اپنا قائد بنالیں۔ یہ لشکر اسلام جب اردن کے ایک مشرقی شہر ''معان'' پہنچا تو شاہ روم ایک لاکھ کا لشکر لے کر مقابلے کے لیے وہاں پہنچ گیا۔

تقریباً ایک لاکھ مشرکین بھی اس لشکر کے ساتھ مل گئے اور یوں دو لاکھ افراد کا یہ لشکر تین ہزار مسلمان مجاہدین کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ اس جنگ میں تین ہزار اہلِ ایمان کا یہ لشکر دو لاکھ مشرکین کے خلاف بے جگری سے ڈٹ کر لڑا۔ حضور اکرم ﷺ کے بنائے ہوئے تینوں سپہ سالاران نے باری باری جام شہادت نوش کیا، اور مجاہدین نے حضرت خالدؓ بن ولید (جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے) کو اپنا سپہ سالار چنا۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے اپنے وسیع تجربے سے ایسی جنگی تدابیر اختیار کیں کہ کفار و مشرکین کی فوجوں کو میدان سے بھاگنا پڑا۔

حضور اکرم ﷺ کو لشکر اسلام کے تین سپہ سالاروں کی شہادت کا علم ہوا تو آپ ﷺ اتنے غمگین ہوئے کہ اس سے پہلے کبھی آپ ﷺ کو اتنا غمگین نہیں دیکھا گیا تھا۔ جب یہ خبر پہنچی تو حضور اکرم ﷺ فوری تعزیت کے لئے حضرت زیدؓ کے اہلِ خانہ کے پاس تشریف لے گئے۔ حضور اکرم ﷺ کو دیکھ کر حضرت زیدؓ کی چھوٹی بیٹی آپ ﷺ سے چمٹ کر رونے لگی۔ حضور اکرم ﷺ بھی آبدیدہ ہو گئے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ بھی رو رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ ایک حبیب کا اپنے حبیب کے غم میں رونا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ایک موقعہ پر فرمایا:

اللہ! زید بن حارثہؓ منصب امارت کے لائق تھا اور مجھے تمام لوگوں سے زیادہ پیارا تھا۔

Siqarah The Learning Hub International (SALHI)

A sister concern under Siqarah School System

Admissions Open Now
Play group,
Pre-Kindergarten(Nursery),
Kindergarten (Prep).
Cell: 0300-4245232

Offering
American Education System

Opening Soon at
Dar-ul-Irfan, Munara
(Khushab Road, Dist Chakwal)

مسائی جمیلہ

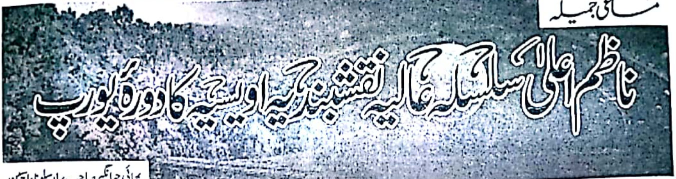

ناظمِ اعلیٰ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کا دورۂ یورپ

بھائی جہانگیر صاحب، بارسلونا، اسپین

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥
اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتٰبَ ۖ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ
(سورۃ الاعراف:196)

یقیناً میرا پروردگار اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی ہے اور وہ نیک بندوں کی مدد فرماتا ہے۔

اللہ کریم کی شانِ ربوبیت کا احاطہ انسانی عقل سے بہت باہر ہے کھربوں انسانوں کی ضروریات کو پورا کرنا اور پھر ان کے ہر عمل بلکہ سوچ تک سے واقف ہونا یہ اُس کی شان ہے۔ جہاں انسانی زندگی کی ضروریات ایک مقررہ مدت تک کے لیے پوری فرماتا ہے وہاں انسان کی ابدی زندگی اور خاص کر انسان کے مقصدِ حیات کے لیے بھی بہت اعلیٰ انتظام فرماتا ہے۔

یہ بھی اللہ کریم کا احسان ہے کہ بھائی جان عبدالقدیر اعوان صاحب نے یورپ کا دورہ فرمایا۔ بے لوث اور پورے خلوص سے پاکستانی کمیونٹی میں ہر طبقہ فکر کے لوگوں سے بات کی۔ دعوتِ الی اللہ دی کہ آیئے ہم اپنی زندگی کے شب و روز کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ اپنے دین سے وابستہ رہیں اور ایک اچھا کردار اس معاشرے کو دکھا سکیں۔

یورپ میں پاکستانی 1970ء کی دہائی سے آنے شروع ہوئے اور اب تک مسلسل یہ سلسلہ جاری ہے کافی حد تک اسٹیبلش (Establish) ہو چکے ہیں بلکہ یورپ کی معیشت میں بھی ایک خاصہ رول ان کے ٹیکس کا ہے۔ بہت محنت کرتے ہیں، ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ گورنمنٹ کے لیے یہ تارکینِ وطن بہت مفید ہیں اس لیے مساجد اور عبادت سے کوئی منع نہیں کرتا۔ ہاں یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ کوئی دہشت گردی یا جرم نہ ہو تا کہ ملک کی عوام کا کوئی نقصان نہ ہو۔ بھائی جان تقریباً ہر نشست اور ہر پروگرام میں یہ تلقین فرماتے رہے کہ آپ لوگ پاکستانی ہیں اور مسلمان ہیں۔ آپ پر دوہری ذمہ داری ہے ایک پاکستانی ہونے کے ناطے سے پھر مسلمان ہونے کے ناطے سے کوئی ایسا کام نہ کریں کہ دیکھنے والا کہے کہ پاکستانی ایسے ہوتے ہیں یا مسلمان ایسے ہوتے ہیں۔ بھائی جان کے دورۂ یورپ کا آغاز ناروے سے ہوا۔ آپ نے چار دن ناروے میں قیام فرمایا وہاں 15 سے 20 ساتھی ہیں۔ 6 ساتھی فنافی الرسول ﷺ ہیں۔ عمران بھائی امیر ہیں۔ ساتھیوں نے گرم جوشی سے بھائی جان کا استقبال کیا۔ اور بہت ہی اعلیٰ پروگرام ہوئے۔ اللہ کریم حاجی عبدالرؤف صاحب اور ملک شمیم صاحب کو اجر عطا فرمائے۔ ناروے کے برج کاروباری شخصیات کا بھائی جان کے ہر پروگرام میں آگے تشریف لانا بہت بڑی خوش آئند بات ہے۔

پھر ایک دن کا پروگران سویڈن میں تھا۔ ''بعثتِ رحمتِ عالم ﷺ کانفرنس'' ہمارے ساتھی عارف اللہ خان اور عبدالغفور ملک بھائی نے اس پروگرام کا انتظام کیا اور تقریباً 100 کے لگ بھگ حضرات سے بات ہوئی۔

سویڈن کے بعد چار دن جرمنی میں پروگرام ہوئے۔ جرمنی میں ہمارے ساتھی دُور دُور بڑے شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں وہ روزانہ ذکر میں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اب وہاں افضال بھائی قائم مقام صاحب مجاز ہیں۔ فہد طارق بھائی امیر ہیں۔ چار شہروں میں دو گھنٹے کی ڈرائیو پر پروگرام ہوئے۔ پاکستانی سٹوڈنٹس نے بھی اپنی مسجد میں پروگرام رکھا۔ بھائی جان نے بہت خوبصورت بیان فرمایا۔ سبحان اللہ! اللہ کریم

ابدی زندگی کی کامیابی کے لیے اپنا بندہ بھی اور اس کی خوبصورت دعوت پہنچا دی۔ اب یہ بندے پر، عوام پر ہے کہ وہ قبول کر لیں اپنا لیں۔ چند قدم ساتھ چل کے دیکھ لیں۔

جرمنی کے بعد ہالینڈ میں میاں ظفر عظیم صاحب اور چوہدری نوید ارشد صاحب، بھائی جان کے اچھے دوست ہیں۔ ڈن ہاگ اسلامی سنٹر میں جلسہ بعثتِ رحمتِ عالم ﷺ کے موضوع پر بھائی جان کا خطاب ہوا۔ یہ مکس مکتب فکر کا مرکز ہے۔ دیو بندی، بریلوی سب جمع ہو جاتے ہیں۔ پاکستانی ہونے کے ناطے سے سب اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ بہت بڑا جلسہ ہوا تقریباً 150 لوگ جمع تھے۔ اللہ پاک سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔ یہاں عجیب بات ہے کوئی باقاعدہ ذکرِ الٰہی کرنے والے ساتھی نہیں ہیں۔ الحمد للہ! بھائی جان نے مسجد کے ہال میں تمام حاضرین کو ذکر الٰہی بھی کروایا۔ بلکہ موضع ہی ذکرِ الٰہی کو رکھا۔ نوید ارشد چوہدری صاحب دارالعرفان بھی حاضر ہوئے ہیں اور ہیڈ ماسٹر محمد خان صاحب سے طریقۂ ذکر اور لطیفۂ قلب سیکھ کر آئے ہیں۔ سبحان اللہ بعد میں دو دن کا قیام آسٹریا کے دارالخلافہ ویانا میں تھا۔ ہمارا بہت ہی خوبصورت اور ایماندار ساتھی ہے خالد خان ان کا تعلق افغانستان سے ہے۔ میاں بیوی دونوں بھائی جان سے بہت عقیدت رکھتے ہیں۔ ان کی رہائش گاہ پر ہی انہوں نے اپنے افغانی بھائیوں کو جمع کر لیا۔ بھائی جان نے ذکرِ الٰہی بھی کروایا۔

خالد بھائی، بھائی جان کو ایک دریا پر لے گئے جس کا پانی سردی سے منجمد ہو چکا تھا۔ اس پہ چہل قدمی بھی کی اور فوٹوز بھی لیے، سبحان اللہ! بھائی جان کے یورپ ٹورز کا آخری قیام اسپین کے شہر بارسلونا میں تھا۔ بارسلونا میں بندہ کو بھی باقاعدہ قیام پذیر ہوئے ایک سال ہوا ہے۔ بھائی جان یہاں چار مرتبہ پہلے بھی تشریف لا چکے ہیں۔ میاں ملک فضل حق صاحب اور چوہدری عزیز امرہ نے ویلکم عشائیہ رکھا۔ وہاں پر جمع تمام مہمانوں سے جناب مہمانِ خصوصی محترم بھائی جان عبدالقدیر اعوان صاحب نے بیان فرمایا وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ۔ اس سے اچھی بات کسی کی کیا ہوگی جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے۔ پُرکیف بیان تھا۔ بڑی توجہ سے سب نے سنا اور بھائی جان سے لوگ بڑی ہی مسرت اور خوشی سے مصافحہ کر رہے تھے۔ اللہ پاک قادر ہیں۔ ورنہ یہاں یہ کام مشکل بہت ہے۔ سارے یورپ کی برائی جمع کریں تو بارسلونا پھر بھی آگے ہے۔ یہاں تو بندے کا اپنا ایمان بچ جائے تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ ہمارے بارسلونا میں بھی حلقہ ذکر ہے۔ ہر اتوار کو ساتھی کبھی 10 کبھی 15 جمع ہو کر ذکر کرتے ہیں، اکثر نئے ساتھی ہوتے ہیں۔ بارسلونا میں قرطبہ ریسٹورنٹ اور میریج ہال میں جلسہ بعثتِ رحمتِ عالم ﷺ کا پروگرام بہت اچھا ہوا۔ تمام میڈیا والے، چینل، نیوز پیپرز والے، تمام کاروباری حضرات شامل ہوئے۔ بندہ نے حضرت جی مدظلہٗ العالی کا تعارف پڑھا۔ سرفراز بھائی نے کلامِ شیخ اور بھائی جان نے بیان فرمایا اور جو غلط فہمی ہمارے نام نہاد پیروں اور مولویوں نے پھیلا دی ہے کہ شاید یہ لوگ یورپ کا دورہ فنڈ جمع کرنے کے لیے کرتے ہیں وہ سب دور ہو گئی۔ بات سب کی سمجھ میں آگئی کہ یہ حقیقی دین ہے۔ اور اس کے حامل یہ اصل لوگ ہیں۔ جو اپنا مال خرچ کر کے ہم تک اللہ کا پیغام ہی لے کر آئے ہیں۔ بلکہ اُسے اپنانے کا طریقہ وسلیقہ بھی بتاتے ہیں۔ بھائی جان نے بیان کے بعد طریقۂ ذکر بھی سکھایا اور ذکر کروا بھی دیتے تو لوگ تیار تھے۔ اور نقش مانگنے والوں کے ایک ایک بندے کو آپ ملتے رہے۔ یوں یورپ کا تبلیغی دورہ مکمل کر کے آپ بارسلونا سے پی آئی اے کی فلائٹ پر اسلام آباد تشریف لے گئے۔ اور ہم ائیر پورٹ سے نم آنکھوں کے ساتھ واپس آ گئے۔

الحمد للہ!

دعائے مغفرت

1۔ جھنگ صدر سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی خالد محمود

2۔ دارالعرفان، چکوال سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد عثمان کی والدہ محترمہ

3۔ کراچی سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی مظہر شاہ

وفات پا گئے ہیں ساتھیوں سے دعا کی اپیل ہے۔

طب

فالسہ
Greevia Asiatio

حکیم عبدالماجد اعوان (سرگودھا)

فالسہ ایک درخت ہے، بنگال، اڑیسہ، ہریانہ، ناگپور پنجاب کے باغیچوں میں ملتا ہے۔ اکثر اسکے پکے پھل یا اندرونی چھال استعمال میں لائی جاتی ہے۔ فالسہ کا پھل جنگلی بیر کے برابر بلکہ اس سے بھی چھوٹا ہے۔ فالسہ کی دو اقسام ہیں۔

1۔ فالسہ شربتی: یہ پیلا، پکنے سے پہلے ترش اور پکنے کے بعد ترش اور میٹھا ہوتا ہے۔

2۔ فالسہ شکری: یہ کم رسیلا ترش و میٹھا اور بعد میں میٹھا ہوتا ہے۔

مزاج:

اسکا مزاج، سرد تر ہے، گرم مزاج والوں کے لیے فائدہ مند ہے۔ 30 گرام تک استعمال کر سکتے ہیں جبکہ اسکی چھال 10 سے 15 گرام تک استعمال کی جا سکتی ہے۔

فوائد:

فالسہ موسم گرما کا بہترین پھل ہے اور بازار میں کم قیمت پر دستیاب ہوتا ہے۔ اپنے اندر بہت سے قدرتی فوائد رکھتا ہے۔ اس کا استعمال پیاس کی شدت کو کم کرتا ہے، قوت ہاضمہ کو تیز کرتا ہے اور جسم میں خون کی کمی کو دور کرتا ہے۔ اکثر لوگوں کو پیشاب کرتے وقت جلن محسوس ہوتی ہے، فالسہ کے استعمال سے یہ تکلیف جاتی رہتی ہے۔ بلغم جس میں صفراوی رطوبت شامل ہو اور بلغم کے رنگ میں پیلاہٹ ہو اسکے استعمال سے خارج ہو جاتی ہے۔ جگر، گردہ اور دل کو تقویت دیتا ہے۔ متلی اور قے کے عارضے میں مفید ہے۔

اس کا اندرونی چھال کا سفوف ذیابیطس کو فائدہ دیتا ہے۔

فالسہ خواتین میں موجود مرض سیلان الرحم (لیکوریا) کے لیے بھی مفید ہے۔

شربت فالسہ:

250 گرام پکے ہوئے فالسوں کو کے ایک صاف ستھرے کپڑے میں ڈال کر اچھی طرح سے کچل کر نچوڑ لیں۔ اس جوس میں اور پانی ڈال لیں جوس اور پانی کی مقدار ایک لیٹر ہو۔ اس میں 3 کلو چینی ملا کر آگ پر رکھیں جب تھوڑا سا گاڑھا ہو جائے یعنی شربت کا قوام تیار ہو جائے تو نیچے اتار لیں اور ٹھنڈا ہونے پر خشک بوتل میں محفوظ کر لیں۔

تین چمچ ایک گلاس ٹھنڈے پانی میں حل کر کے استعمال کریں۔ یہ شربت معدے اور جگر کے لیے بے حد مفید ہے۔ پیاس کو تسکین دیتا ہے، قے اور دستوں میں بھی مفید ہے۔

دیگر:

پکا فالسہ 1/2 کلو، پانی 375 گرام، چینی 3 کلو کو۔ کسی قلعی دار برتن میں فالسہ کو ڈال کر صاف ہاتھوں سے ملیں۔ اور پانی میں ڈال دیں۔ اچھی طرح مل کر چھان لیں اور چینی ملا کر شربت کا قوام بنا کر خشک بوتل میں محفوظ کر لیں۔ دل کو فرحت بخشتا ہے گھبراہٹ اور خفقان کو ختم کرتا ہے۔

معدہ کو تقویت بخشتا ہے۔

میٹھا فالسہ سیاہ رنگ کا 375 گرام، لیکر مسل لیں۔ 375 ملی لیٹر عرق گلاب میں شامل کر کے 3 کلوگرام چینی ڈال کر شربت تیار کر لیں۔

ضعف قلب اور ضعف جگر میں مفید ہے۔

tinge of rebellion to Allah's (SWT), the writer or poet becomes very famous and celebrated. The author who writes obscene literature is held in great esteem and becomes famous. There are poets whose poetry is based on waywardness and opposition to Islam and this characteristic of their work, makes them famous. One such writer was asked that how come his son was studying Quran at a school as a subject. He replied that in his view his son was merely learning another language otherwise there is nothing special about Quran! It is good that he will learn some Arabic along with English, Urdu etc. This poet is very famous in our country and acclaimed only because he is rebellious to Allah (SWT). This rebellion has unfortunately become the standard of wisdom, today. This is wrong. The truth is that a person is wise and an intellectual, proportionate to his cognition, acknowledgement of Allah's Greatness and the level of submission, in obedience, to the Prophet (SAWS). Quran gives this as the criterion of wisdom and intellect. So, nobody should fool himself with false criteria but should search for the realities. What good is that intelligence which prefers mortal things over the Magnificence of Allah (SWT)? How can it be wisdom? This is foolishness. The function of intelligence is to look for facts, to search for the reality of the mortal things and to ponder over the sayings of the Prophet (SAWS) and to draw the conclusion that these sayings are the Pearls of Truth and Wisdom. These are the Realities which Prophet (SAWS) has generously showered upon mankind and will do it forever.

Each word of the Quran holds myriads of facts and realities; hence the intellectuals must seek to unfold the realities and avoid indulgence in things that are alluring and temporary. However, if a person does not bother to improve his ways and continues to indulge in sin and waywardness and we still consider him to be an intellectual then this will lead us to destruction. We must see that the intellect given to us by Allah (SWT), is leading us to the right path in life or it is leading us astray!

Continued From page 55

Prophets and the *Aulia* have Pre-vision of the Future

- *Faidh al-Bari* (vol: 1, p: 182): Ba-Yazid Bustami, a celebrated saint, passed by a Madrissah and from the breeze blowing from its direction, predicted the emergence of a future *wali*. It materialised in the person of Abu Hassan Kharqani, a century later. Similarly, the Prophet-S.A.W. once said, "I see Divine lights in the direction of Yemen." Owais of Qarn was born there. This Hadith, also is a proof of the existence of the semblance of something before its formal existence.
- *Faidh al-Bari* (vol: III, p: 334): I have said that things have a sort of pre-existence. The Prophet-S.A.W. foresaw calamities, which befell after him. These calamities had a certain pre-existence, and the Prophet-S.A.W. had observed them through *kashf*.

According to ***Rûh al-Ma'ani*** (vol: 1, p: 233), the *aulia* in their corporeal existence, stroll in an earthly Paradise:

> The learned *sûfis* hold that Paradise, where Hadhrat Adam-A.S. was lodged after his creation, is the *Barzakhi* paradise on earth, near Jabl-e Yaqût. In a state of *kashf sûfis* stroll in it spiritually, not physically.

People see various things in their dreams

celebrate their rituals. Food is enjoyed and other rituals are observed. What good can come from it? Sadly, Islamic celebrations have been ruined by music and funfairs which have been fabricated by some people. The ways and styles of non Muslims are being adopted by Muslims, today.

THE REAL KNOWLEDGE
AKRAM-UL-TAFSEER, Vol1, pages (174-176)

Knowledge does not refer to a mere memorizing of words or reading a lot of books. Had this been the criterion of being learned then all the newspapers would be labeled as scholars. If you take a look at a newspaper, it will contain information from a village to the entire globe, within the limited space of a few pages. With all this information, printed on these pages, do these pages become scholars? The pages remain ignorant because whatever is written on them does not make any impact on them nor alter them, in any way. They neither turn soft nor become smoother. Similarly those who read too many books, merely collect a lot of information, like a newspaper. If a person has a huge collection of letters, words, phrases and news, it does not make him a scholar. We can't say that he has knowledge.

Knowledge is that which leaves an impact on the heart, on the personality and on the spirit (Ruh) whereby bringing a positive change, even though the person may not have received any formal education, in any school. The Noble Companions (RAU) never went to any school but when they are quoted on any issue, all the intellectuals go silent and admit that the truth is what the Noble Companions (RAU) said. Why do great erudite surrender their view point before the sayings of the Noble Companions (RAU), so easily? They do it, because the Companions had knowledge. Knowledge can be attained by listening, reading, through experience or Allah (SWT) may instill it in the heart. Those who had faith in their hearts and were blessed with the honor of Beholding the Radiant Face of the Prophet (SAWS), their hearts became oceans of knowledge, without going to any institution and without reading any book. They attained such a level of cognition of Allah's Magnificence that no other person, besides the Noble Companions (RAU), can ever dream of. They attained such a staunch belief in the veracity of the Prophet (SAWS), which was unparalleled, and nobody after them can ever attain. The power to discriminate between Truth and Falsehood, which they had, was also unique which nobody besides them can have in the world.

Knowledge, even if it is a single sentence, is that which transforms the temperament of a person; alters his thinking and his heart. Knowledge transforms a person towards goodness. A person may acquire the highest degree from a university but if he fails to improve himself, he will still be considered as ignorant. Allah (SWT) says," I show you my signs so that you may use your intellect and perceive the truth." In Allah's Court, wisdom and sagacity means acknowledgement of His (SWT)'s Magnificence.

Many years back, we were sitting with a few friends and the topic of death of India's Prime Minister came up. Somebody said that the late Prime Minister was a very shrewd, intelligent and wise man. One of our members, who were very simple and elderly, commented that he did not know the Prime Minister, in person, but when he had failed to perceive the Greatness of Allah (SWT) and the veracity of Prophet (SAWS), how could he be considered as wise and intelligent? In our society today the criteria for wisdom and intellect are unique. Today, a person who can criticize Allah's Greatness is considered to be an intellectual. If a writer or a poet writes prose or poetry, which has a

THE BLESSED NIGHT

(FROM ASRAR-UL-TANZIL)

Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ۚ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ (SURAH DUKHAN 1-4)

Ha Meem. By this Luminous Book which elucidates the Truth with evidences and was sent in an extremely Auspicious Night from the Guarded Tablet unto the heavens of this world; it testifies the fact that the purpose of its revelation is to guide mankind to the correct course of action and forewarn of the adverse results of evil deeds whereby mankind may determine the path they wish to pursue.

THE AUSPICIOUS NIGHT

The Exegetical Scholars agree that this Auspicious Night refers to the Night of Power (Laila-tul-Qader) as supported by other verses of the Quran. The Quran was revealed in Ramazan and the reports that are being cited with fifteenth night of Shabaan (known as Shab-e-Barat), as The Auspicious Night (Laila-e- Mubaraka), are weak. Most of the scholars have not entertained such reports. However, those who support this version, accept the auspiciousness of this night only because they say that when it come to meritorious aspect of actions then even weak references of Hadith are acceptable.

Quran itself highlights the fact that it was revealed in Laila-tul-Qadar, in the month of Ramazan. In this Blessed Night all Divine decisions based on wisdom, ordained for the next year, are handed over to the Angels, for execution.

(FROM AKRAM-UL-TAFSEEER)

We have revealed it in an extremely Blessed Night. It must be understood that this Blessed Night (Laila-e-Mubaraka) refers to the Night of Power (Laila-tul-Qadar), in the month of Ramazan and it is to be found among the odd numbered nights of the last ten fasts. Moreover, it must be remembered that this night is not universally, at the same time, everywhere. It can be in different nights at different places. Even within the same country it can vary in different cities. It is quiet possible that the 21st night may be the Night of Power here, but not elsewhere. The Blessed Night is the night when Quran was revealed.

There is a certain confusion which somehow has been concocted about the night of fifteenth of Sabaan, which has no basis, whatsoever. All the traditions reported in its favor are weak, as stated by scholars. However, they say that if someone wants to offer superogatory prayers on this night it is acceptable as in meritorious deeds even the weaker sources of Hadith are acceptable. Every night is a night, to worship Allah (SWT) but the night of the revelation of Quran and the Delegation of Divine Decrees is associated with the Night of Power (Laila-tul-Qadar) and not with mid Shabaan, known as Shab-e-Barat.

Unfortunately the way we celebrate this Shabaan night is very wrong. The children burn candles and fireworks and roam around all night. What kind of worshipping is this? The night is commonly celebrated as a ritual as non Muslims

The point has been further elucidated in *Faidh al-Bari*, (vol: I, p: 26):

At the time of revelation, the Prophet[S.A.W.] passed into the state of *Barzakh* without formal death; it coincided with the time of revelation. Most of the events of *Barzakh* are disclosed to the dead. The Prophet[S.A.W.] was specially endued to witness the events of *Barzakh* at the time of revelation when many Divine secrets were disclosed. The *aulia* also experience the *Barzakh*i state in which they are inspired with numerous Divine secrets. In their case this state is acquired from the realm of Prophethood, as the Hadith suggests: "The dream of a true believer is a 46^{th} part of Prophethood." The author of *Mushkalat al-Qurãn* (p: 274) writes: "What a *wali* observes during *kashf* is not due to his personal achievement, it is a blessing of his Prophet."

Essay 3:

Kashf and *ilhãm*

The best state of a person in this earthly existence is his assiduity in worship: This is the first stage in human bliss and is the very purport of the verse. "*You alone do we worship*". Resoluteness in this state for a span of time results in the manifestation of Divine lights. But the recipient ascribes this consistency, not to personal ability but solely to His Favour. This is the intermediary stage of excellence and illustrates the verse. "*You alone do we ask for help*".

As he advances along this path, it dawns on him that the only source of guidance is ALLAH and all lights, manifestations and refulgence are attained solely through Him and this is the meaning of verse: "*Show us the straight path*". According to some Ulama, this prayer does not denote the final goal unless coupled with the verse: "*The path of those whom You have favoured*", which implies that a seeker aspiring for guidance and manifestations has no alternative but to follow an accomplished Sheikh who would lead him on correct path and guard him against going astray. (***Tafsir-e Kabir***, vol: I, p: 142) According to Imam Razi, only those persons are blessed with intrinsic manifestations who after finding an accomplished Sheikh, and providing that they are sincere in their search, are steadfast and talented, are elevated to high ranks by ALLAH.

Imam Ghazali observes:

Kashf is bestowed on a pious person, who is steadfast in zikr. Piety is the gateway to zikr and zikr the gateway to *kashf*.

(*Ahya ul-Ulum*, vol: II)

Says Sheikh Abdul Qadir Jilani, *Ghauth al-A'azam* (the greatest of the Ghauth):

He who has strong faith and a firm belief observes with the eyes of his heart all affairs of the Hereafter, as revealed by ALLAH. He observes the Paradise, the Hell, the Clarion and the angel who holds it and the reality inherent in everything.

(***al-Fatah ar-Rabbani***, address dated 18 Zilq'ad 545 A.H.)

The *Ghauth al-A'azam* has not simply declared faith as a source of *kashf*, but a strong faith and a firm belief. Undoubtedly, a strong faith cannot be attained without the special favour of ALLAH.

Says Sheikh al-Islam:

The effects of zikr, in the form of Divine lights, *ilham*, *kashf* or *karamah* etc. are helpful only if unsought for, and manifest by themselves.

(*Maktubat*, no. 33, vol: XXX)

Here *kashf* is described as an effect of zikr and those who do zikr are indeed ALLAH'S chosen bondsmen.

Writes Imam Ghazali in his ***al-Munqiz min-adh-Dhalal*** (p: 50):

"Manifestations and observation of Divinity are experienced even in the initial stages of the Path. Seekers, while wide awake, observe the spirits of the Prophets and the Angels, converse with them and benefit from them."

Continued to page 52

of a word from Him ..." (3:45)

And when I inspired the disciples saying, "Believe in Me and in My messenger..." (5: 111)

Then they found one of Our slaves, to whom We had given mercy from Us, and had taught him knowledge from Our Presence. (18:65)

We said, "O Zul-Qarnain! Either punish (them) or show kindness." (18:86)

Then We sent to her Our spirit (Jibril) and it assumed for her the likeness of a perfect man. (19:17)

And We inspired the mother of Musa[A.S]*, saying suckle him...* (28:7)

Truly We gave Lukman wisdom saying, "Give thanks to ALLAH." (31:12)

Tilka ashratun kamilah - ('That is a complete ten')

Note: The sciences, pertaining to *kashf* and *ilhãm* are proved from the *Qurãn*, irrespective of the fact as to whether they are categorical or *Zanni*, their existence as such cannot be denied. Therefore, a denial would amount to rejection of the above *Qurãnic* injunctions.

Question: Is it not *Ilm-e Ghaib* (knowledge of the Unseen) to discern what is in another person's heart through *kashf*?

Answer: This is known as *Kashf-e Qulûb*. It is neither the knowledge of the Unseen, which is defined as limitless and personal, nor acquired through any media. The knowledge of the *aulia* is not personal but is derived through *kashf* and *ilhãm*; it is not eternal but created, not *Hudhuri* but acquired. Ib'n-e Qayyam, while discussing *kashf* and *ilhãm* writes:

This is not the knowledge of the Unseen but a knowledge which has been put by the Knower of the Unseen into an enlightened heart; a heart free from wayward impulses, evil dispositions and superstitious tendencies. These are moral ailments which preclude a heart from perceiving realities. (***Kitãb ar-Rûh***, p: 29)

Note: This proves that *kashf* is not the knowledge of the Unseen, and that it is bestowed upon those chosen few whose hearts are pure and fully imbued with Divine love. It has also been established that these Realities are not disclosed to *yogis* and non-believers **[See Essay-3]**.

The Difference between *Kashf* and *Ilhãm*

Kashf and *ilhãm* are two separate entities. According to Imam Rabbani, *kashf* is nearer to what is termed as sensation by the logicians, while *ilhãm* is closer to intuition. Probably *ilhãm* is more accurate than *kashf* because the latter is lifting of the veil from something, and the former is a direct inspiration onto the heart. (***Faidh al-Bari***, vol: I, p: 19)

Kashf and *ilhãm* are two forms of Divine notification, and the latter is closer to accuracy.

The State of *Barzakh*

The period between death and Resurrection is called *Barzakh*. The dwellers of *Barzakh*, i.e. the dead, are said to be in a *Barzakhi* state. The affairs of the terrestrial as well as the celestial world are revealed to them. The Prophets experience this revelation even in their earthly existence; and so do the *aulia*, who have enlightened themselves through the refulgence of their Prophets.

For the *aulia*, the state between sleep and consciousness is the state of *Barzakh*. In the case of Prophets, *kashf* or *ilhãm* sets in at the time of revelation which is their state of *Barzakh*. The *aulia* experience this state in absorption as the rightful successors of the Prophet[S.A.W]. In both cases the terrestrial connections are suspended for the time being. This state of absorption is neither consciousness nor sleep, but is the state of *Barzakh* in which *kashf* or *ilhãm* is received.

KASHF AND *ILHÃM*

Translation of "Dalail us Suluk" written by Hazrat Maulana Allah Yar Khan (RAU)

Chapter XVII

Conditions for *Kashf*

There are two prerequisites for *kashf* and *ilhãm*:

1. One must be blessed with a wholesome heart because such a heart is endowed with inner perception, by which it acquires intrinsic knowledge in the same manner as it acquires extrinsic knowledge with the help of sensory organs.

2. One must adhere to *Shari'ah*, in toto.

The first is a Divine bestowal, while the second is a self acquisition. Anyone fulfilling these conditions will be blessed with healthy *ilhãm* and spiritual inspirations from ALLAH. On the contrary, a person having corrupt beliefs, bearing unsound conduct and lacking in sincerity cannot possibly deserve such a blessing.

Whisper of the Soul and the Devil's Inspiration

Surely! The devils do inspire their minions. (6: 121)

A number of similar verses prove that the devils also whisper into the human heart but under specific circumstances:

Shall I inform you upon whom the devils descend! They descend on every sinful and false one. (26: 221-222)

This shows that the inspiration of the devil is confined only to those who have sunk deep into infidelity and heresy; the myths attributed to yogis, pundits and other non-believers, fall into this category.

The Criterion for the Veracity of *Kashf* and *Ilhãm*

- Just as the first condition for *kashf* is bestowal in the form of a wholesome heart, the criterion for its veracity is also a bestowal, i.e. accurate intuition. Like the human stomach, which does not absorb a fly but vomits it out instantly, a wholesome heart does not accept the devil's inspiration; feels restless and rejects it at once.
- Every *kashf* and *ilhãm* shall be judged in the light of the *Qurãn* and the *Sunnah*, and in case of a disagreement it shall stand rejected; otherwise, the recipient should take it as emanating from ALLAH.
- The *Shari'ah* does not necessarily go into detail. It just indicates, what are positive (virtuous) and negative (sinful) facets of life. And where it is silent, either aspect is possible. Therefore, *kashf* and *ilhãm*, which confirm a negative or a positive aspect will be reliable but where negative appears as positive, or vice versa, it will merit rejection.

Hence the denial of true *kashf*, *ilhãm* and Divine inspiration as sources for acquisition of knowledge, amounts to the rejection of age-old precepts of the Faith itself.

The Proof of *Kashf* from the *Qurãn*

And when the Angel said, "O Mary, Surely ALLAH has chosen you and made you pure, and has preferred you above (all) the women of the world." (2: 32)

And when Saul set out with the army he said, "Surely! ALLAH will try you by (the ordeal of) a river ..." (2: 249)

"(O Mary! Be obedient to the Rabb, prostrate yourself and bow with those who bow (in worship)" (3: 43)

(And remember) when the Angel said, "O Mary! Surely ALLAH gives you glad tidings

MONTHLY

Al-Murshid

JULY 2017

Shawwal / Ziqad 1438H

عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اکثروا ذکر الله حتی یقولوا مجنون...

Hazrat Abu Saeed Kuzri (RAU) narrated that Prophet (SAWS) said: "Practice Allah's remembrance (Zikr) so excessively that the people may regard you as a maniac"

Sultan Omar Ali Saifuddien Mosque

The top most quality in deeds and character is justice which when present brings the entire personality to a perfect balance. (Page No. 12)

Al-Sheikh Mulana Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

MONTHLY AL-MURSHID PS/CPL #115
17-A KASIA SOCIETY COLLEGE ROAD TOWNSHIP LAHORE

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو ویڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1-مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4-اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255